رُباعیات

نجوم و جواہر

جوشؔ ملیح آبادی

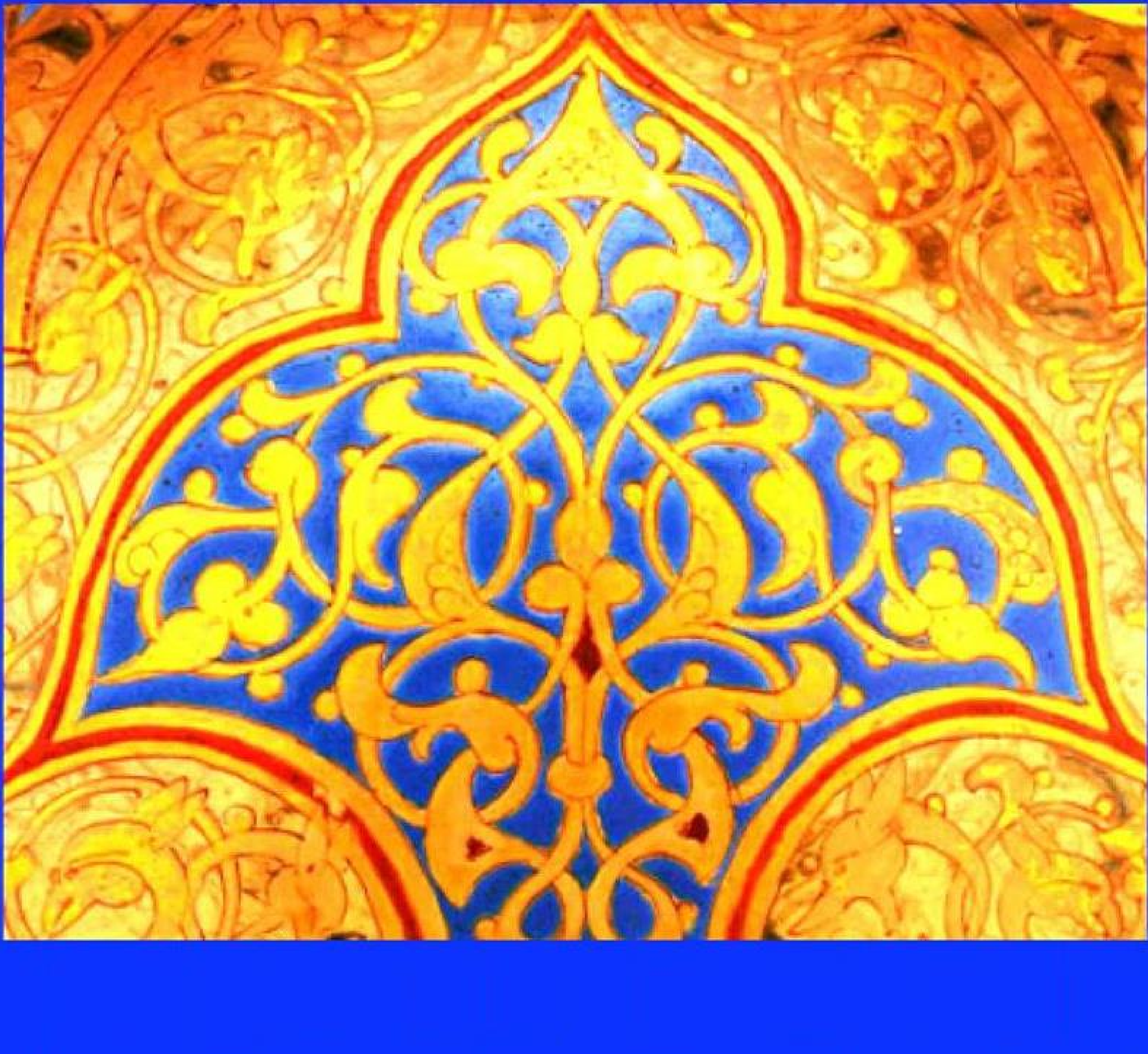

نجوم و جواہر

جوش ملیح آبادی

جوش اکیڈمی، کراچی

نجوم و جواہر

جوش ملیح آبادی

ناشر :- جوش اکیڈمی، کراچی

جملہ حقوق محفوظ

پہلی بار : جنوری ۱۹۶۲ء
قیمت : [redacted]
مطبوعہ : پاکستان ٹائمز پریس ، لاہور
تصاویر : اتفاق پرنٹنگ پریس ، لاہور

مہتمم کار :

مکتبۂ ادب جدید

۵، پٹیالہ گراؤنڈ ، میکلوڈ روڈ ، لاہور

غُرفات

۱:۔ اَندیشہ و اِدراک

۲:۔ وَقت

۳:۔ فَن کار

۴:۔ دِہقان و تہذیب

۵:۔ جَمالیات

۶:۔ طُلوعِ صُبح

۷:۔ غُروبِ جَمال

۸:۔ جُلوسِ غَم

۹:۔ نَو بَہ نَو

۱۰:۔ نالۂ تَشنگی

۱۱:۔ کَربِ سُوال

یہ، تا بَزَباں، سُخَن کے لانے والے
یہ، اَپنے ہی خوُن میں نہانے والے
وَاللہ کہ ہیں، چَشم و چَراغِ آفاق
یہ، "فِکر" کو "آواز" بَنانے والے

تَسبِیح و عِمامَہ و عَبا و خاتَم
تاج و اَورَنگ و قَلعَہ و چَتَر و عَلَم
یہ، جُملہ عَظِیم قُوَّتیں، ایک طَرَف
اَور ایک طَرَف طاقَتِ سَرکارِ قَلَم

(غُرفۂ اوّل)

اَندیشہ و ادراک

جَودَت کا گُہر، مہرِ مُبیں سے بہتَر
حِکمَت کی حَلاوَت، اَنگبیں سے بہتَر
عالِم کا دِیا ہُوا گُمانِ بَد بھی
جاہِل کے عَطا کَرَدَہ یَقیں سے بہتَر

بَنامِ قُوَّت وحَیات

اِس دُھن میں کہِ دِل، عَقل کے شَیدا ہو جَائِیں
آفاق کے اَسرار، ہُوَیدا ہو جائِیں
مُدَّت سے گِرا رَہا ہوں، تُخمِ اَفکار
شایَد کہِ نَئے دَرَخت پَیدا ہو جائِیں

اِک ذرّۂ مُبہَم ہے ہماری دُنیا
اِک قطرۂ شَبنَم ہے ہَماری دُنیا
تاروں کے جو کھَلیان کھَنگالے، تو کھُلا
اِک جَو سے بھی کچھ کَم ہے ہَماری دُنیا

* * *

خُود بِیں و خُود آگاہ کیا ہے، کِس نے
ایمان کا بَد خواہ کیا ہے کِس نے
اِنسان کو، شَیطاں نے کیا ہے گُم راہ
شَیطان کو گُم راہ کیا ہے کِس نے؟

اِس بارگہِ کُن میں، ہم کیوں بولیں
اِس کعبۂ حُسنِ ظن میں، ہم کیوں بولیں
اللہ ہے "رحمٰن" و "رؤف" و "رزّاق"!!
سچّوں کی اِس انجمن میں، ہم کیوں بولیں

زُلفِ حرماں کے پیچ کھولو یارو
انسان کے آنسوؤں کو تولو یارو
آلامِ گدائی پہ یہ شیون کب تک ؟
اَسبابِ گدائی کو ٹٹولو یارو

مَیں، طُرفہ کشاکش میں، گِھرا ہُوں، معبُود!
مَکّار حواس، اَور وُہ بھی محدُود
بالفرض اگر کشفِ غطا بھی ہو جائے
پھر بھی نہ یقین آئے کہ تُو ہے موجُود

اَوہام سے کہ دو کہ پَر اپنے تولیں
شاخِ افکار پر نہ چونچیں کھولیں
مُلّا آئے جو ہفت قُلزم لے کر
حِکمت کے کَھرے توے پہ "چھُن" سے بولیں

ایماں کو، خِرَد کے زیر و زبر لایا ہے !
اَوْر، بحث کی، دِل میں، آرزو لایا ہے!!
کیا اس سے، مِرے الاؤ پر آئے گی آنچ ؟
یہ اوس کی اِک بوند جو تو لایا ہے

جَب، غُرفۂ عِلم و فِکر کھولا مَیں نے
اَپنے کو، نَئے باٹ سے تولا مَیں نے
مَیں ہوں کہ نہیں۔ یہ جانچنے کی خاطر
اَپنے کو، کَئی بار، ٹٹولا مَیں نے

ہاں، وعدۂ رزق کو جگائیں تو حضور
معدوں کے جہنّم کو بجھائیں تو حضور
پیمان "مرض" ہے، اور ایفاء ہے "شفا"۔
غسلِ صحت کبھی تو فرمائیں حضور

ہر سمت سے، اِک لو سی نکل آتی ہے
اعصاب میں، ایک آنچ سی لہراتی ہے
کھاتا ہوں غذائے علم جتنی اے جوشؔ
اُتنی ہی کچھ اور بھوک بڑھ جاتی ہے

بوسیدہ روایات کی حُرمت نہ کرو
تحقیق و تجسُّس کی اہانت نہ کرو
دینِ آبا، بھی، تُم کو لاحق ہو جائے
ماں باپ سے، اِتنی بھی محبّت نہ کرو

اَفکار میں جب غوطہ لگایا مَیں نے
آفاق کو، پلکوں پہ جھُلایا مَیں نے
اِدراک کی میزان میں تولا جس وقت
سائے میں بھی، وزن و حجم پایا مَیں نے

مَحرُومِ تَجَلّیاتِ وافِر ہو جائے
خُود سے ، بگُناہِ جہل ، نافِر ہو جائے
زاہد نہ کَرے سَجدَہ تو مُسلِم نہ رَہے
عارِف جو کَرے سَجدَہ تو کافِر ہو جائے

اَسرار کے ہَر قُفل کو توڑا مَیں نے
آیات کی ہَر شاخ کو جھوڑا مَیں نے
دیکھا کہ صُراحی میں ہے اَفسُردَہ جہل
جَب خوشَۂ علم کو انچوڑا مَیں نے

چھوڑے گی نہ اک آن جوانی ہم کو
بخشے گی حیات، بے کرانی ہم کو
ہو جائیں گے جب مُطیع، اپنے اعضا
مل جائے گی عمرِ جاودانی ہم کو

آندھی جاگی ہے۔ شاخسارو، ہُشیار
ذرّات ہُمک رہے ہیں، تارو، ہُشیار
اک زلزلۂ وہم شکن، راہ میں ہے
اے دَیر و کلیسا کے منارو، ہُشیار

تَقلید کو، آنکھوں پہ لیا۔ خُوب کیا
تُحقیق کا ساغَر نہ پیا۔ خُوب کیا!!
اَقوال و اَساطیر کے پَٹّے رَکھ کَر
اَفکار کا سَر مُونڈ دیا۔ خُوب کیا!!!

اَے، پچھلے پہر کے غَم گُسارو، بولو
اَے نور کے، مَلگَجے سے، دھارو، بولو
اِس پَردَۂ رَنگ و بُو میں پوشیدہ ہے کون؟
بولو، اے ڈُوبتے ستارو، بولو

یہ دُکھ ہے کہ جیب میں ہوں ماہ و پروین
کونین ہو، کم سے کم، مرے زیرِ نگیں
آگاہیِ مرگ و زیست کے یہ نعلین!!
چھوٹے ہیں بہت۔ پاؤں میں آئیں گے نہیں

یارانِ خُوش و بتانِ دل خواہ بھی ہیچ
اَقطاب و پیمبرانِ ذی جاہ بھی ہیچ
ہم اپنے انا پر اس قدر ہیں لہلوٹ
اپنا نہ اگر رہے تو اللہ بھی ہیچ

تا، مزرعِ دِل میں، تخمِ غم، بو نہ سکوں
جب لوٹ کا وقت آے تو کچھ کھو نہ سکوں
فانی چیزوں پہ ہنس رہا ہوں کہ ندیم
جب اِن پہ زوال آے تو میں رو نہ سکوں

کھولا ہے تو ہر اِیک گرہ کو کھولو
منطق کی ترازو پہ ہر اِک شے تولو
مانا کہ یہ عالم ہے کسی کی ایجاد
اَور، علّتِ ایجاد ہے کیا؛ اب بولو

ایمان کو، لذات کی خواہش ہے شدید
ہر خیر ہے، اسباب طرب کی تمہید
حوران بہشت و دختران کفار
باقی نہ اگر رہیں تو غازی، نہ شہید

ہے کوئی، جو اس دھوئیں کو گلشن کر دے؟
ٹکڑے اس تیرگی کا دامن کر دے
دل پر ہے، گھٹا ٹوپ اندھیرے کا دباؤ
اللہ، کوئی چراغ روشن کر دے!

اِتنا جینا ہے، اَوْر نہ مَرنا مُشکل
جِتنا کہ ہے ذِہن کا نکھرنا مُشکل
یہ علم، وُہ کم بخت غذا ہے، جس کا
کھانا آسان، ہضم کرنا مُشکل

عُجلت نہ کر اے مُسافرِ دشتِ شعُور
نفی و اثبات کا ابھی شہر ہے دُور
ہاں ساتھ چلا چل کہ کہیں ٹھہرے گا
یہ قافلۂ علّت و معلُول ضرُور

خونِ انساں نہیں محبت بکنار
فطرت کو قرابت سے نہیں کچھ سروکار
نفسِ ولدیت پہ نہیں مہر کا حصر
علمِ ولدیت پہ ہے شفقت کا مدار

علت کا، نہ معلول و قضا کا منکر
حاشا نہ خبر نہ مبتدا کا منکر
یاروں نے، تشخص کا، تراشا ہے جو بت
الحاد ہے صرف اُس خدا کا منکر

اَوروں کی جو امداد نہیں کر سکتے
خُود کو وُہ کبھی شاد نہیں کر سکتے
شہرِ دلِ ویراں میں ہیں آباد وُہ لوگ
اَپنے کو جو برباد نہیں کر سکتے

* * *

بے چارہ، عداوت میں گُھلا جاتا ہے
وُہ آگ لگی ہے کہ پُھنکا جاتا ہے
جب تک میں زندہ ہُوں، اُسے چین نہیں
یہ سوچ کے، دُشمن پہ ترس آتا ہے

ہوتا ہَے اَنائے خام کِس دَرجہ شَدید
خُوْد کو گَردانتا ہَے اِک فَردِ فَرید
شاید یہ سَمجھ رَہا ہَے مُرغِ سَحَری
میری لَے سے اُبھَر رَہا ہَے خُورشید

* * *

دانا ہو تو غَم کو بھی مَسَرّت جانو
عُسرت کو بھی نَقیبِ عِشرَت جانو
جِنسِ غائب کے غَم میں گُھلنے والو
سَرمایۂ حاضِر کو غَنیمَت جانو

ہر راہ کو، ہر گلی کو، ہر موڑ کو دیکھ
ہر داؤں کو، ہر پیچ کو، ہر توڑ کو دیکھ
قلبِ آب و ہوا کی ہر ضرب کو گن
جسمِ ارض و سما کے ہر جوڑ کو دیکھ

سرمایۂ اکرام نہیں مال و جمال
برہانِ بزرگی ہے نہ طاقت نہ جلال
تنہا عظمت کمال میں نہے، لیکن
جو اپنے قصور پر ہو نادم، وہ کمال

ہَل سے ہوتا ہے بارور جسم کا باغ
جلتا ہے قلم سے، ذہنِ انساں میں چراغ
ہَل اور قلم کی عظمت، کیا کہنا
رزّاقِ بدن ہے وہ، تو یہ ربِّ دماغ

باقی نہ رہے کاکلِ اخلاق میں خم
معمورۂ الحاد بنے شہرِ حرم
یہ گلشنِ کاروبارِ عالم کیا ہے
ہَل، آس نہ دے، تو گُنگ ہو جائے قلم

ذہنِ مشرق ہے دورِ وحشت میں اسیر
آنکھیں بے آب، خال و خط بے تنویر
کس طرح پڑے بنائے ایوانِ دماغ
چہرے اب تک نہیں ہوئے ہیں تعمیر

ہاں، خیمۂ اوراد و مناجات کی خیر
خرگاہِ اساطیر و حکایات کی خیر
سنکی، وہ عقلِ بے مروّت کی ہوا
قندیلِ شبستانِ روایات کی خیر

اِحسان فَراموش پہ کَرنا نہ گُمان
اِس بات پہ غور کر۔ اگر ہے اِنسان
جس کا لَقَب اِحسان فَراموشی ہے
وُہ تو ہے شَرافَتِ بَشَر کا نِسیان

شَوقِ آبِ خِضَر، نہ خَوفِ ظُلمات
کچھ دَغدَغہ مَوت، نہ پَروائے حَیات
اَپنے سِینوں میں جو اُگاتے ہیں سُرُور
اِک جشنِ مُسَلسَل ہے اُنھیں، دِن ہو کہ رات

دوزخ ہے ترا ذہن، ترا علم بہشت
بیدار مُطالعہ ہے۔ خوابیدہ سرشت
قدِ اسناد۔ تا دو صد عرشِ بریں
قدِ افکار۔ کم تر از یک بالشت

تابانیِ چہرہ و نشاطِ اعضاء
پرہیز کا انعام، توسُّط کا صلا
کہتے ہیں جسے دولتِ صحّت، وہ چیز
عادات کا زُہد ہے، بدن کا تقوٰی

اَللہ ہے سَرچشمۂ اَلطافِ عَمیم
اَوْر بَندَہ، رَہینِ جُملَہ آفاتِ عَظیم
کَم بَخت اِنسان ہے وُہ تَنہا بیٹا
جو، باپ کی زِندَگی میں ہوتا ہے یَتیم

دِشتِ دَوراں نے توڑ ڈالا ہَم کو
سَر تا بَقَدَم، نچوڑ ڈالا ہَم کو
جَیسے ہی، خُوشی کی جُستجُو میں نِکلے
غَم نے، آکَر، جَھنجھوڑ ڈالا ہَم کو

اللہ رے، مورخوں کے الجھے ہوئے خواب
ہر موجِ نفس میں، سو فسوں کے گرداب
سچ کی، جس پر دمک رہی ہیں مہریں
تاریخ ہے، جھوٹ کی، وہ معروف کتاب

* * *

لاتا ہے زبان پر جو حرفِ تادیب
ہوتا ہے وہ پامالِ صد آفاتِ مہیب
دیکھو کہ فضا پر ہے ابھی تک غلطاں
سقراط کا جامِ زہر، عیسیٰ کی صلیب

ذوقِ ابلاغ کا اِدھر ہے طوفان
کتمانِ حقائق کا اُدھر ہے میلان
ہم، لب پر، اُٹھائے ہوئے، آئے ہیں کلام
تم، دِل میں، دبائے ہوئے، بیٹھے ہو زبان

نازل، گردُوں سے ہر فراغت ہوتی
خم، گردنِ قدرت، پئے خدمت ہوتی
ہوتا جو کوئی باپ، سرِ عرشِ بریں
تو، فرش پہ، ماں کی نہ ضرورت ہوتی

عَورت۔ ذِہن و مزاج و تَخمیر و قِوام
نُطق و وَضع و شُعور و تُہذیب و خِرام
جو ہات ہے پالنے کی ڈوری کا اَمین
اُس ہات میں ہے نِظامِ گیتی کی لَگام

ہَر فَردِ کے پاؤں میں، بَاَسبابِ کَثیر
ماحول و مزاج کی پَڑی ہے زَنجیر
بُنیادِ "خَطا" کا عِلم ۔ سَرچَشمۂ "عَفو"
بُنیادِ "خَطا" کا جِہل ۔ وَجہِ تَعزیر

انسان سے کیا ربط بڑھائے انسان
ہر آن بپا ہے اِک نرالا طوفان
معرُوفی و اُنس و حُبّ و عشق و سودا
پھر فصل، فراق، موت، غفلت، نسیان

جو دیس کہ ہوتا ہے خوشی کا دشمن
دیتا نہیں آب و نان و کافور و کفن
جس دیس سے ملتا نہیں پیغامِ حیات
اُس دیس سے اُگتی ہی نہیں حُبِّ وطن

ہیں تشنگان و اربابِ یقیں
وُہ خون خرابے ہیں کہ رنگیں ہے زمیں
لیکن جس ذات پر بپا ہے یہ فساد
وُہ کیا ہے، خود اُن کو بھی یہ معلوم نہیں

خوابیدہ زمین پر، بندوقِ بیدار
جو شخص کہ نصب کر رہا ہے اشجار
اے اہلِ نظر، وُہ بو رہا ہے، دراصل
تابوت، سفینہ، بیج، سایہ، چھکار

خود کو نہ کبھی فریب دینا اے دل
کشتی، گرداب میں نہ کھینا اے دل
ناکامیٔ ناقصانِ فن کی سوگند
تعریف کا زہر چکھ نہ لینا اے دل

تحقیق کی لو تپائے جاتی ہے مجھے
تفتیش کی دھن گھلائے جاتی ہے مجھے
بجھتی نہیں پینے سے بھی افکار کی پیاس
یہ علم کی بھوک کھائے جاتی ہے مجھے

یہ سچ ہے اگر کہ معدلت ہے مجبور
اللہ کی دین میں نہیں کوئی قصور
تو حرفِ دعا، شدید گستاخی ہے
ناقابلِ تبدیل مشیت کے حضور

قانونِ سزا ہے ایک سعیٔ بے سود
بدلو مجرم کا ذہن، خاطی کے غدود
برہانِ حماقتِ قضا ہے، دراصل
دزدوں کا رواج، قید خانوں کا وجود

کوڑے سے۔ جو ذہن کے خلا کو پاٹیں
لازم ہے، تمام عُمر ہڈّی چبائیں
آشفتہ رہیں، جو کھائیں بادی اَوہام
جو بوئیں رِیاحیں۔ وُہ ڈکاریں کائیں

میرے، اَعمال کے ہیں پنڈے کورے
میرے اَقوال کے ہیں مُکھڑے گورے
مَیں، اَپنے تَمَلُّق کے لئے کیا کم ہوں
پھٹکیں نہ مِرے پاس خُوشامد خورے

مبنی تیرا حدیث و آیات پہ دین
ہیں، شہرِ تامل و تفکر کا مکین
تو، شیفتۂ نطقِ رسالت — اور ہیں
حرفِ ناگفتۂ نبوت کا امین

بے علم - حیات، ایک قصرِ بے نور
بے فکر - دماغ، اِک کلیم بے طور
حق کہ الوہیتِ انسانی ہے
ترتیبِ قوائے عقل و تہذیبِ شعور

زُہّادِ بُزُرگ و مُفتیانِ ذی جاہ
"اِلّا" سَنجان و عارِفانِ "اَللہ"
اِس دِل میں جو اَسرار ہیں، اُن سے اَب تک
تُم کیا کہ فرِشتے بھی نہیں ہیں آگاہ

ناداں، بے ہوش، اور دانا ہُشیار
مُلّا خوابیدہ ہے، مُفکّر بیدار
راتوں کے سُکوت سے یہ آتی ہے صَدا
جاگے پَروَردِگار، سوئے سَنسار

وابستۂ آسمان، نہ پابندِ زمیں
انکار، نہ اقرار، نہ دُنیا ہے نہ دیں
اے عقلِ غریب، یہ سیاحت کب تک
تیرا بھی کوئی وطن بنے گا کہ نہیں؟

کونین کلیجے سے لگائے تجھ کو
آفاق، سر آنکھوں پہ بٹھائے تجھ کو
میری غلطی، مجھ کو جتانے والے
اللہ ہر آفت سے بچائے تجھ کو

اَللہ ری خوں خواریِ ذوقِ افکار
ہر سانس میں ہونکتے ہیں لاکھوں اسرار
نیندوں میں بھی، تا صبح، چبھا کرتی ہے
کم بخت دماغ کی مسلسل جھنکار

محرابِ فقیہاں میں، بایں سوز و گداز
اے جوشؔ، بجا رہے ہو کیوں فکر کا ساز
بیٹھی ہوئی آنکھوں میں نہ ٹھونسو انوار
پھوٹے ہوئے کانوں میں نہ ٹھونکو آواز

تحقیق کو، جس وقت بصیرت نکلی
تطہیر کی اوٹ سے، کثافت نکلی
جب علم کی سطح کو، ذرا سا کھرچا
اک جَو کی مسافت پہ جہالت نکلی

ہر قہر ہے، قاہر کے لیئے تختۂ دار
ہر ظلم ہے، ظالم ہی کے حق میں آزار
دل توڑنے والوں کو یہ معلوم نہیں
ٹوٹے شیشوں سے جھانکتی ہے تلوار

خود غور کر اے مجتہدِ سرکہ جبیں
تو ہے کہ یہ بندہ حاملِ حاصلِ دیں؟
تجھ میں، عملِ خیر نہیں، ایماں ہے
مجھ میں، عملِ خیر ہے، ایمان نہیں

* * *

تجھ سے ہے، ترے عیب کے باعث جو خفا
ممکن ہے کہ ہو جائے کبھی دوست ترا
لیکن جو ترے ہنر سے رکھتا ہے عناد
وہ شخص کبھی دوست نہیں ہو سکتا

خاشاک میں، زلفِ عنبریں ملتی ہے
ذرات میں، چشمِ سرمگیں ملتی ہے
پیمائشِ قلزم کا وہاں کیا امکان
قطرے کی جہاں تھاہ، نہیں ملتی ہے

آلودگیٔ انجم و ذرات سے بھاگ
ترکیبِ حقائق و روایات سے بھاگ
ہو جائے کہیں نہ معدۂ ذہن خراب
ہاں بھاگ، تداخلِ خیالات سے بھاگ

گردش کرتا ہے جسم میں خونِ زمیں
پہلو میں دھڑکتا ہے دلِ عرشِ بریں
جب ران پہ، کہنی کو ٹکا لیتا ہوں
اور ہات کی انگلیوں پہ ہوتی ہے جبیں

محکم ہے اگر خلوص، مثلِ قطبین
نیّت ہے اگر بخیر، مانندِ حسین
پھر کیوں ہے شرافتِ وسائل پہ مُصِر
مقصد ہے اگر ترا نجیبُ الطرفین

کیا تو یہ سمجھتا ہے رفیقِ کم بیں
زانو، اِک جوڑ ہے، طرب گاہ نہیں؟
میں تو، عرشِ بریں پہ، رکھتا ہوں قدم
جب زانوئے فکر پر جھکاتا ہوں جبیں

دُنیا، اُدھر آبِ جُو، اِدھر مکرِ سراب
فردوس اُدھر، اِدھر جہنّم کا عذاب
اِحساس کی منزل میں — غم و شیون و آہ
اَفکار کے حلقے میں دف و چنگ و رباب

ہستی ہے اِدھر زہر، اُدھر آبِ حیات
بے مایہ اِدھر، اُدھر رفیعُ الدّرجات
تُو بھی ہے عجیب شَے، حیاتِ انساں
چکھیں، تو بَلا کی تلخ — سوچیں تو نبات

”اِک ”شَے“ ہے دَرُونِ پَردہ ہائے اَسرار“
”دَریائے شُعُور و آگہی کے اُس پار“
یہ قَول تو دَر پَردہ ہے، اَے مُفتیٔ دِیں
اُس ”شَے“ کے وُجُود کا مُہَذَّب اِنکار!

یہ دغدغۂ گردشِ ایام ہے کیا؟
یہ بندِ گرانِ سحر و شام ہے کیا؟
اس کی بھی خبر نہیں کہ آغاز ہے کیوں؟
یہ بھی نہیں معلوم کہ انجام ہے کیا؟

ہر نقص ہے، دل شکستگی کی تمہید
ہر ضعف ہے، اِک خازنِ گم کردہ کلید
آزار رسانی ہی نہیں فعلِ قبیح
آزار کشیدگی بھی ہے جرمِ شدید

ہو جائیں جب اہلِ شہر بدکار و دُرشت
اَعیانِ حکومت پر اُٹھاؤ انگشت
بدخُلق پہ جس وقت بجاؤ کوڑے
بھولو نہ مُعلّمانِ اَخلاق کی پُشت

سارق ہی کے فرق کو نہ خالی آرو[1]
گھر کے مالک کو بھی جھنجھوڑو یارو
جب چور کو، قطعِ ید کا، فرمان سُناؤ
تو شِحنۂ غافل کی بھی گردن مارو

---

[1] آرا چلانا۔

مَعلولوں کو، جس وقت تہِ خاک کرو
علّت کو بھی مُلول و غمناک کرو
جب، زَوجۂ زانیہ کا دامن پھاڑو
شوہر کے گریبان کو بھی چاک کرو

اَخلاق کے جتنے ہیں اُصول و اَقدار
اِک رُخ سے ہیں در، تو اِیک رُخ سے دیوار
میدانِ عمل میں — اِضطرابِ پرکاہ
اَیوانِ خیال میں — ثباتِ کُہسار

جس دیس میں آباد ہوں بھوکے انسان
احساسِ لطیف کا وہاں کیا امکان
اک فکرِ معاش پر نچھاور سو عشق
اک نانِ جویں پہ لاکھ مکھڑے قربان

طاقِ جاں کا سراج بن جاتا ہے
فرقِ ہستی کا تاج بن جاتا ہے
تا وقتِ اجل، ذہن پہ رہتا ہے سوار
وہ مسئلہ، جو مزاج بن جاتا ہے

جذبات میں بہتی ہے خطابت کی زبان
جس پر کھلتے نہیں دلائل کے نشان
صد فوجِ خطیباں پہ ہے بھاری واللہ
یک مردِ بلوز حرف نے آہنِ بُرہان

افکار کے بیج، کوئی بوتا ہی نہیں
اوہام کے داغ، کوئی دھوتا ہی نہیں
ہوتی ہے جو الہامِ اعظم پہ محیط
اُس قوم میں، اختلاف ہوتا ہی نہیں

میں نے جو کہا کہ بند کر بابِ اجل
بندے نہ رہیں اُداس، دُکھیا، بے کل
اللہ نے یہ سُنا تو جھلا کے کہا
سب میرے مزے چھیننے آیا ہے نکل!

پگھلی ہوئی گرم لاکھ بن کر رہ جائے
بگڑی ہوئی مُردہ ساکھ بن کر رہ جائے
چھو جائے جو، پل بھر کے تفکّر کی بھی آنچ
دوزخ کا الاؤ، راکھ بن کر رہ جائے

اس دور میں بھی عقل ہے صیدِ اکراہ
ہر داعیٔ اندیشہ پہ اُٹھتی ہے نگاہ
وجدان کے ساحل پہ بحکمِ فقہا،
حکمت کی درآمد و برآمد ہے گناہ

اخلاص سے، نفیٔ ذات اگر ہے مقصود
ایسا اخلاص ہے ازل سے مفقود
کہتے ہیں جسے خلوص، وہ حرفِ غریب
فرہنگِ حقائق میں نہیں ہے موجود

ا فضائے جنوں پہ لرزہ طاری ہو جائے
ہر موجِ نفس ایک کٹاری ہو جائے
رکھ دے شانے پہ ہات اگر عقل کبھی
تو عشق کے منھ سے خون جاری ہو جائے

اُف، آئینۂ ”عین“ پہ، اور پرتوِ ”غیر“
مبہوتِ حرم ہے، اور حیران ہے دیر
تشبیہ کے نرغے میں گھری ہے تنزیہ
ہلچل ہے دلِ صفات میں ذات کی خیر

تحدید و تشخص کے، لیئے سو آیات
پہنے ہوئے، عقل سوز تشریف صفات
جس نے لات و منات توڑے تھے کبھی
اب جوشؔ وہی خدا ہے خود لات و منات

اے مردِ خدا، عشق کی تلقین نہ کر
اے صیدِ جنوں، عقل کی تدفین نہ کر
کہ "خیرِ کثیر" کو نہ کارِ ابلیس
ممکن ہو تو قرآن کی توہین نہ کر

فرمانِ الٰہ ہے شرارت اپنی
میلانِ عناد ہے وراثت اپنی
ممنوع شجر سے استفادے کی قسم
تعمیلِ مشیت ہے عداوت اپنی

خالق کی تلاش میں ہے مخلوق تباہ
اِک عمر سے، ماہ پر ہے ماہی کی نگاہ
گھیرے ہیں کچھار کو شکاری کیا خوب
اور شیر مچان پر ہے، ماشا اللہ!

پیدا ہُوا، اعصاب میں، اِک طُرفہ کھنچاؤ
معلوم ہُوا مَتاعِ اَسرار کا بھاؤ
ذَرّے کو، ہتھیلی پہ، جو پَل بھر رکھا
محسوس ہُوا نظامِ شمسی کا دباؤ

ہُشیار، کہ شہد، سَم نہ ہونے پائے
اِحساس کا سَرِ قلم نہ ہونے پائے
جو شہرِ طرب، دل میں ہُوا ہے آباد
اُس شہر میں قحطِ غم نہ ہونے پائے

ہاں، خونِ جگر "حنا" نہ بننے پائے
اشکِ حرماں "غذا" نہ بننے پائے
بے شک، مرضِ غم بھی ہو گاہے گاہے
لیکن یہ مرض، "شفا" نہ بننے پائے

انسان کی توحید کا مشتاق ہوں میں
شمعِ حُبِّ عمیم کا طاق ہوں میں
مشرق کا نہ پابند، نہ مغرب کا اسیر
انسان ہوں، باشندۂ آفاق ہوں میں

گردش سے جو معذور ہو، وہ خون غلط
دل کو جو نہ چونکائے، وہ مضمون غلط
انسان کو جو تپائے، وہ دین ہے پوچ
فطرت کو جو ٹھکرائے، وہ قانون غلط

حبِ نوعِ بشر ہے، میرا ایمان
ہر چہرۂ زشت و خوب، میرا قرآن
اللہ کو، آغوش میں پایا میں نے
جیسے ہی مری گود میں آیا انسان

ہر سانس میں کوثر کے پیام آتے ہیں
ہر گام پہ، حوروں کے خیام آتے ہیں
بندوں سے جو ایک بار ملتا ہوں گلے
اللہ کے سو بار سلام آتے ہیں

کب سر پہ کسی نبی کا اِحسان لیا
رازِ کونین، خود بخود، جان لیا
اِنسان کا عرفان ہوا جب حاصل
اللہ کو، ایک آن میں، پہچان لیا

"اَقوام" کے لفظ میں کوئی جان نہیں
اِک نَوع میں ہو دُوئی، یہ امکان نہیں
جو مُشرکِ یَزداں ہے، وُہ ناداں ہے فقط
جو مُشرکِ انساں ہے، وُہ انسان نہیں

توحید کے رُخسار جھَلَک اُٹھتے ہیں
کَونَین کے اَنوار دَمَک اُٹھتے ہیں
پَڑتی ہے جَب اِک تارِ نَفَس پَر مِضراب
آفاق کے سَب تار کھَنَک اُٹھتے ہیں

گو، اُس کو بُرا، زمانہ کہتا ہی رہا
دریا، چُپ چاپ، ظُلم سہتا ہی رہا
آتے ہی رہے، راہ نُمایان فراز
پانی، سوئے نشیب بہتا ہی رہا

کشتی، کبھی طوفان کو چکراتی ہے
تتلی، کبھی پتّھروں کو بَرماتی ہے
شعلوں سے کبھی پھول برس پڑتے ہیں
شبنم سے کبھی آنچ نکل آتی ہے

دُنیا کبھی ہموار نہیں ہوتی ہے
اِک وضع پہ طبیا نہیں ہوتی ہے
گرتی ہے کبھی فرش پہ یوں بھی تھالی
مدّھم سی بھی جھنکار نہیں ہوتی ہے

دِل قعرِ مذلّت میں گراتا ہے کبھی
کنگورۂ عرش پر بٹھاتا ہے کبھی
گھن سے بھی نہیں شکستہ ہوتا گاہے
اور بوئے سمن سے ٹوٹ جاتا ہے کبھی

ہم گرد کو بخشتے ہیں القابِ کثیب
کہتے ہیں فراز کو تکلف سے نشیب
اے مکرِ حیات، ہم نہیں ہیں ناداں
ہم لوگ سمجھ بوجھ کے کھاتے ہیں فریب

احساسِ دوئی، بے خبری ہے اے دل
صرصر بھی نسیمِ سحری ہے اے دل
پھینکا جاتا ہے جو پئے گربۂ و سگ
وہ لقمہ بھی خویش پروری ہے اے دل

غیرت ہے اگر تو سینہ زوری نہ کرو
فاقوں میں بھی حرام خوری نہ کرو
لعل و زر و گوہر کی حقیقت کیا ہے
حکمت بھی، پڑی ملے، تو چوری نہ کرو

دانا ہے، تو افترا کے پھندوں کو نہ دیکھ
لفظوں کی بٹی ہوئی کمندوں کو نہ دیکھ
واللہ کہ جعلی ہیں یہ دستاویزیں
اقوالِ بزرگاں کے پلندوں کو نہ دیکھ

ہُشیار، اَے آگَہی کے طالبِ انسان
دَریائے حَواس، مَکر کا ہے طوفان
خلّاقیٔ وَہم کے نِہاں خانے کا
مالِ مَسروقہ بیچتا ہے وِجدان

فَرمانِ قضا ہے، عُمرِ انساں گھٹ جائے
ہَر چہرہ، غُبارِ بے دِلی سے اَٹ جائے
پھولوں کا بچھے فَرش کہ دو گام کے بَعد
کانٹوں پہ قَدم پڑیں تو چھاتی پَھٹ جائے

شیشے، کبھی نظروں سے کھنک جاتے ہیں
بے ٹھیس لگے، خود سے دَرک جاتے ہیں
دیکھا ہے کہ ہوتے ہیں کچھ ایسے بھی سبُو
بھرنے نہیں پاتے کہ چھلک جاتے ہیں

تیری مُہلت ہے، اَے حیاتِ بَرہم
اِک آن، اِک لحظہ، اِک تنفّس، اِک دَم
طفلی و شباب و شیب و امراض و اجَل
تیرے ہیں یہی، اِتنے گِنے پانچ قدَم

کم زور ہے، مستحقِ دار و زنداں
شہ زور ہے، شایانِ سریر و ایواں
اِک کوچہ اُڑا لو، تو ذلیل و سارق
کُل شہر چرا لو، تو عزیز و خاقاں

انسان، ازل سے ہے جہول اور ظلوم
لے دے کے ہے بس اِک شعورِ موہوم
طفلِ ناداں ہے، آئینے کے آگے
کس کا یہ عکس ہے، اُسے کیا معلوم

آنچیں، شام و سحر، جُھلستی ہی رہیں
روحیں، تسکین کو ترستی ہی رہیں
مانگا ہی کیے سحابِ رحمت کی دُعا
اور، قہر کی بدلیاں برستی ہی رہیں

ہر نغمۂ عقل، ایک صوتِ مردود
ہر کاوشِ فکر، ایک سعیِ بے سود
اس خطۂ عاقلاں میں پیدا کر کے
کس اول میں جھونکا ہے مجھے اے معبود!

جسماً خس و خاشاک ہوں، طبعاً پردیں
ذہنوں سے بہت دور، نگاہوں سے قریں
کہتے ہیں، مجھے دیکھ کر ابنائے وطن
کس دیس کا یہ شخص ہے، معلوم نہیں

ہر آن کی یہ سینہ زنی کیسی ہے
ہر سانس میں غلطاں یہ انی کیسی ہے
اپنے گھر میں ہوں، اجنبی کے مانند
مولا، یہ غریب الوطنی کیسی ہے

جب شیب نے، خال و خط کا گلشن لوٹا
مہکا چمنِ فکر کا بوٹا بوٹا
جس وقت بُجھا دل تو جلی شمعِ دماغ
جب بال گرے تو سر میں اکھوا پھوٹا

ہاں کاسہ و خنجر کے ہیں یک ساں انداز
خنجر میں جو خوف ہے، تو کاسے میں گداز
جیبِ انساں تراشتی ہے دن رات
قزاق کی تلوار، گدا کی آواز

اِدراک کا آیا نہ سَلیقہ اَب تَک
تَقلید کا ہے دَردِ شَقیقہ اَب تَک
مونچھوں کے، بَڑی دھوم سے، کُونڈے تو ہُوئے
اَور عَقل کا باقی ہے عَقیقہ اَب تَک

مَر کَر بھی نہ وُہ حَق کے مُطابِق ہوگا
وَاللہ، کَبھی نہ مَردِ صادِق ہوگا
اَیسا اِنسان، سَب ہُوں جِس کے مَدّاح
یا باغئِ جَوَر، یا مُنافِق ہوگا

تسخیرِ مہ و مہر نہیں کارِ بلند
یہ کھیل ہے، انساں کی طفلی کو پسند
اب قصرِ "صفات" کو گرا کر، یارو
پھینکو، ایوانِ ذاتِ مطلق پہ کمند

جب تک چکھتا نہیں فراغت کی مٹھاس
مانا کہ دلِ انسان کا رہتا ہے اداس
لیکن، جب تک نہ ہوں، دھڑا دھڑ فاقے
افلاس کا احساس ہے اِک مکرِ حواس

ہوتا ہے بَلند جب کہ مِعیارِ حیات
آسائشِ حاصل کی نہیں چلتی بات
اَفلاس کا اِحساس جسے کہتے ہیں
وُہ اصل میں ہے دُوریِ جیب و جذبات

جذبات کا، تا عُمر، تحکُّم نہ گیا
اُمّید کے ہونٹوں کا تبسُّم نہ گیا
جب تک کہ رہی خون کی گردش باقی
دریائے تمنّا کا تلاطُم نہ گیا

کھینچی ہر ایک سانس، تلوار کے ساتھ
صحت نے سفر کیا تو آزار کے ساتھ
صد حیف کہ موت کی بھی، ہچکی آئی
ایک آخری اُمید کی جھنکار کے ساتھ

میرے سینے میں ہے جواہر کی دُکان
اس بندۂ ناچیز پہ، اور یہ احسان!
لیکن، فدوی پہ جو کرم ہے معبود
اُس سے محروم ہیں کروڑوں انسان

مَنطِق کو، برہنہ پا کیا ہے ہم نے
اَوہام کو، تاجِ زَر دیا ہے ہم نے
اَب تک نہیں اُترا ہے وہ زہرِ اَقوال
بچپن میں، جو کانوں سے پیا ہے ہم نے

اَفکار سے ہوتی ہے طبیعت ہلکان
اَقوال پہ ہو رہی ہیں جانیں قُربان
سَر کے میدان میں ہے اِک عالمِ ہُو
کانوں پہ، کھڑے ہوئے ہیں لاکھوں اَیوان

جس کا ہو سنی سنائی باتوں پہ مدار
کس طرح اٹھا سکے حقائق کا وہ بار
کیوں کر وہ بڑھے شہرِ معارف کی طرف
جس قوم کی کھوپڑی پہ ہوں کان سوار

وڈیروں کی طرح میں نہیں کھاتا چندے
گردن سے مری، دور ہیں غم کے پھندے
یہ شکر ترا اہلِ وفا کے نزدیک
اک کلمۂ کفر ہے خدا کے بندے

اس بات سے تو شاد ہے اے نافرجام
تیرے گھر میں بپا نہیں ہے کہرام
مجھ سے کہیں بدتر ہے پڑوسی تیرا
یہ شُکر ہے، دینِ آدمیت میں حرام

* * *

کیا کیا، نوعِ بشر کو ترساتا ہے
دھمکی دیتا ہے، گاہ پھسلاتا ہے
پھر بھی اُس کے شکور بندے ہیں قلیل
اللہ تعالیٰ پہ ترس آتا ہے۔

انسان کو، قوموں میں نہ بانٹو، یارو
تفریق کا، للّٰہ، نہ کاجل پارو
جس پر ہے رواں، کشتیٔ توحیدِ بشر
اُس خون کے دھارے پہ نہ لاٹھی مارو

میں اور کائنات، اے محرمِ راز
مُدّت سے اب ایک ہیں، بفیضانِ گداز
لے کر جو مِرا نام، پکارا کوئی
آفاق سے لبّیک کی آئی آواز

سیّار و ثوابت و مہ و ارض و سما
خار و گل و ریگ زار و دشت و دریا
حیوان و طیور و دیو و جن و انساں
سب، ایک ہی کوکھ سے ہوئے ہیں پیدا

ذہنوں پہ چڑھے ہوئے ہیں، صدیوں کے غلاف
ہر آن حریمِ ذہنِ آبا، کا طواف
ایمان ہے، اسلاف کی آوازوں کا
اِک شور، مُحرابِ خیالِ اخلاف

ہَر فَرد ہے، وَاللہ، خُود اَپنا ہی غُلام
جو ذات میں ضَم نہیں ہے، اُس سے کَیا کام
ماں باپ، خُدا رَسُول، مَحبُوب، رَفِیق
اَپنے ہی اَنا، کے ہَیں یہ بَدلے ہُوئے نام

اَشغال پہ طِفلی کا یہ ٹھَپّا، تاچَند
آخِر، کھاتا رَہے گا ہَپّا، تاچَند
مائِل ہو، بُلَندی کی طَرَف، اَے اِنسان
تاروں سے، فَقَط یہ ڈَھول ڈَھپّا، تاچَند

یہ گرد ہے؛ دامن سے جھٹک دوں؛ بولو
یا، وہم کے سوپ میں پھٹک دوں؛ بولو
اے خلدِ بریں کے ابلہانِ اعظم
اس عقل کو، کس کھڈ میں پٹک دوں؛ بولو

جس چیز سے واقف نہیں ہوتا انسان
اُس پر، بھولے سے بھی، چھڑکتا نہیں جان
شوقِ نادیدہ تو ہے برحق، لیکن
حُبِّ نادیدہ کا نہیں ہے امکان

بے صرفہ ہے اُس شمع کا محفل میں وجود
جس کی لو ہو تمام اِک موجۂ دود
فیضانِ ہدایت سے اگر ہے محروم
تو کارِ نبوّت ہے سراسر بے سود

یوں تو، جو جس کے جی میں آئے بک لے
لیکن جو حقائق ہیں، نہیں وہ سکلے
سنگِ حالات سے بنے ہیں زنداں
خشتِ جذبات سے ڈھلے ہیں چکلے

آسان نہیں ہے کارِ تشخیصِ رجال
اپنے کو، غلط رائے کے سانچے میں نہ ڈھال
تحقیق نہ کردہ سوءِ ظن ہے، اے دوست
سرسامِ تصورات و سرطانِ خیال

چھوٹے کو سمجھ نہ بانگِ شہرت سے بڑا
خالی برتن کو کیوں سمجھتا ہے بھرا
ہلکے کو اٹھائے گا جو بھاری کی طرح
تو ہاتھ اور ذہن کو لگے گا جھٹکا

تا، حرفِ ستائش سے، جگر میں ہو تری
تا کشتِ خودی، مدح سے ہو جائے ہری
ہاتوں پہ لیے، کاسۂ ذوقِ تحسیں
ہر فرد ہے، مبتلائے دریوزہ گری

خوردوں کی یہ راہ ہے، بزرگوں کی وہ راہ
اُس میں کچھ کھوٹ ہے، نہ اس میں اکراہ
کہتا ہے جسے مذہبِ پیری، طاعت“
وہ شے ہے، شریعتِ جوانی میں، گناہ“

ہر خواب ہے ۔ جادۂ خیالات کا خم
پل میں زنجیر، پل میں زلفِ برہم
یزداں و بت و اہرمن و دیو و پری
پیچیدہ مجسموں کا اللہ رے اُدھم

تابانیٔ چہرہ و فروغِ اعضاء
پرہیز کا انعام تورّع کا صلا
کہتے ہیں جسے دولتِ صحت، وہ چیز
عادات کا زہد ہے، بدن کا تقویٰ

نادار کو جب، حج پہ دل اُکساتا ہے
گلیوں میں پھرا کے، بھیک منگواتا ہے
افسوس وُہ جاہلانہ معصوم گناہ
جو، خیر کے دھوکے میں کیا جاتا ہے

دُنیا میں ہیں بے شمار ایسے بونک
جو، ذہن کے اِعتبار سے ہیں مردک
جسماً پیدا ہوئے تو جُگ بیت چکا
عقلاً پیدا نہیں ہوئے ہیں اب تک

خالق کی تلاش میں ہے، مخلوق تباہ
اک عمر سے، ماہ پر ہے، ماہی کی نگاہ
ہانکا جنگل میں ہو رہا ہے، کب سے
اور شیر مچان پر ہے، ماشاءاللہ!

اسرار کے ہر قفل کو توڑا میں نے
آیات کی ہر شاخ کو چھوڑا میں نے
دیکھا کہ صراحی میں ہے، افسردہ جہل
جب خوشۂ علم کو نچوڑا میں نے

دِیکھے تو کوئی عَقل و عَقائِد کا تَضاد
وُہ لحنِ تامُّل، یہ خَروشِ اَجداد
مَیدانِ فَقیہ میں جو شے ہے "ایمان"
اَیوانِ حَکیم میں وُہ شے ہے "الحاد"

وُہ جن کا تَخَیُّل ہے نَجیبُ الطَّرَفَین
آتش کَدہ و دَیر بھی اُن کے حَرَمَین
ہوتا ہے اُنھیں، حُبِّ وَطَن کا ہَیضہ
ہوتی نہیں جن کو ہَضم، حُبِّ کَونَین

مقتول دلائل کے ہیں تا دُور مزار
افکار کی لاشیں ہیں، عفونت بکنار
ادیان کے سیلے ہوئے تہ خانوں میں
گھلے ہوئے بھیجوں کے لگے ہیں انبار

کیا ظلم ہے، تشنگی سے مرتے رہیے
دم، پیرِ خرابات کا بھرتے رہیے
کتنی ہی شکایت کی ہوں آنچیں دل میں
پھر بھی، ساقی کا شکر کرتے رہیے

حاوی ہے، ازل سے، رافتِ ربِّ وُدود
ہوتا ہی نہیں غُرفۂ رحمت مسدود
کُفّار نے اِک ڈھونگ رچا رکھا ہے
وَاللہ کہ فاقے سے نہیں یہ مردود

رُخسار پہ ہے، بھوک کی زردی چھائی
آنکھوں میں تری ہے، اَور تری پر کائی
اے کاسہ بدست و ننگ بردوش گدا
کیا تجھ سے بھی ہے رزق کا پیماں بھائی؟

گُستاخ ہَیں یہ کھَنڈر، گِرا دو اِن کو
یہ عَرش پہ خَندہ زَن ہَیں، ڈھا دو اِن کو
خُود، صاحبِ کُرسی پہ ہَیں اِک طنزِ جلی
یہ جھونپڑیاں — ارے جَلا دو اِن کو

مومن ہَیں تو بھوکوں کو سزا دیں، آؤ
قَبروں کی، اِنھیں، خاک چَٹا دیں، آؤ
یہ وَعدۂ رِزق کا اُڑاتے ہَیں مَذاق
اِن فاقہ کَشوں کا سَر اُڑا دیں! آؤ

اَے موجد و خلّاق، مُبارک باشَد
اَے صانعِ آفاق، مُبارک باشَد
ہر سَمت رَواں دَواں ہیں بھوکوں کے جُلوس
اَے حضرتِ رَزّاق، مُبارک باشَد

کافر ہیں یہ بھوکے، یہ بھکاری اِنسان
لُولے، لَنگڑے، اُداس، اُندھے، بے جان
نارِ دوزخ کے مُستحق ہیں، وَاللہ
یہ رَحمتِ یزداں کے مُکذّب شیطان

ہَر بام ہَے، اِک کِشوَرِ دِیگَر کا عَلَم
ہَر نام ہَے، اِک رایَتِ نَو کا پَرچَم
ہَر فَرْد ہَے، اِک جُدا نِظامِ شَمْسی
عالَم میں بَسے ہُوئے ہَیں اَربوں عالَم

پُشْتِ اِیماں کا خَم نِکالا ہَے کَبھی؟
اَقوال کو، اَفکار میں ڈھالا ہَے کَبھی؟
اِقرار کے ساحِل پَر اَکڑنے والو!
اِنکار کا قُلْزُم بھی کھَنگالا ہَے کَبھی؟

کھلتے ہی نہیں رموزِ ابن آدم
حیراں ہے مشخّصِ رجالِ عالم
ہر قلب و جگر ہے، ایک بحرِ ذخّار
ہر فردِ بشر ہے، ایک برِ اعظم

میرا سا نشیب ہے، نہ میرا سا فراز
ملتے ہی نہیں کسی سے میرے انداز
ہاں وحدہٗ لاشریک میں ہوں واللہ
جس کو دیکھو یہ دے رہا ہے آواز

ہَر سانس، اِک اِحسان ہے" "جی ہاں، جی ہاں"
بے کار یہ عُدوان ہے"، "جی ہاں، جی ہاں"
بندے ہی غَلَط کار ہیں"، "بے شک، بے شک"
اَللہ تو رحمٰن ہے"، "جی ہاں، جی ہاں"

(غُرفہ دُوَیم)

وَقت

ہَر لَحظہ، بَرَنگِ دِگَر، آں یار بَرآمَد!

دانا ہے تو وقتِ گزراں کو پہچان
صدیوں کو اُٹھائے پھر رہی ہے ہر آن
چُپ چاپ، گزر رہے ہیں، تاریخ بدوش
لمحوں کے لباس میں، کروروں انسان

* * *

ایک آن، کہیں، وقت ٹھہرتا ہی نہیں
خالی ہوکر، دقیقہ بھرتا ہی نہیں
جو لمحہ کہ برباد کیا جاتا ہے
انسان کو وُہ مُعاف کرتا ہی نہیں

بیہُودَہ فَسانوں میں، گَنوا دیں راتیں
بَکواس کی مَوجوں پہ بَہا دیں راتیں
کیا صُبح کو مُنھ دِکھا سَکے گا جس نے
قِصّوں کی اَنگیٹھی پہ جَلا دیں راتیں

پَیغامِ اَجَل ہے، کاہِلی کا آزار
مِحنَت ہی پَہ ہے، زِندَگانی کا مَدار
دُنیا، اُسے کاندھا بھی نَہ دے گی، وَاللہ
لَمحات کے دُلدُل پَہ جو نَہ ہو گا نَہ سَوار

اَے شَب گَزَو روز کوب و لَمحات شِکَن
ایک ایک دَقیقے مِیں ہَیں لاکھوں گُلشَن
نادان، کَہیں ٹُوٹ نَہ جائے ہُشیار!
یہ ساٹھ[1] نَگینوں کا بِلوریں کَنگَن

ایک آن کی کَشمَکَش، مِٹا دِیتی ہَے
پَل بَھر کی جِھجَک، رَنگ اُڑا دِیتی ہَے
اُمّید کی، بے شُمار قَندیلوں کو
اِک سانس کی تاخیر بُجھا دِیتی ہَے

---

[1] منٹ ساٹھ سیکنڈ کا ہوتا ہے —

فَردا کی مُصیبتوں پہ، فَریاد نہ کر
ہو گی جو کَل اُفتاد، اُسے یاد نہ کر
بَخشا ہے جو قُدرت نے تُجھے بھُولے سے
اُس لمحۂ خُوش دلی کو بَرباد نہ کر

حاصل ہو بشر کو، خواہ کتنا ہی کمال
طُولِ اَبدیّت کا تصوّر ہے مُحال
اِنسان کی جھولی میں فقط چند نَفَس
اَور وَقت کے دامَن میں گَردُوں مہ و سال

طوفاں میں پریشاں ہے آفاق کی ناؤ
گرداب بتا رہے ہیں، امواج میں بھاؤ
غلطاں، پیچاں، رواں دواں ہے کونین
دیکھے تو کوئی، وقت کے دھارے کا بہاؤ

تاروں میں شگاف ڈال، ذرّات کو گوڑ
پیمانۂ روز و شب میں، اک بوند نہ چھوڑ
ہاں، مہلتِ زندگی، نہایت کم ہے
ہر آن کو دوھ، ہر دقیقے کو نچوڑ

پَل بھر بھی نَہیں، وَقتِ گُریزاں کو قَرار
ہَلچَل میں ثَوابِت ہیں پَراَفشاں سَیّار
ہَم کو ہے وَہاں تَلاشِ تَمکین و ثَبات
ہَر آن، جَہاں تَھرک رَہے ہیں کُہسار

* * *

اُٹھ، ساغرِ شَب، چَھلک رَہا ہے ساقی
فُرصَت کا سُبو، دَرَک رَہا ہے ساقی
سُن، ہاں گَمانی کی، خُدارا، ٹَک ٹَک
یہ وَقت کا دِل دَھڑک رَہا ہے ساقی

آنکھوں میں بھرے، عظیم قرنوں کا گداز
پلکوں میں پروئے، جملہ آفاق کے راز
"تم کون ہو؟ ٹھہرو تو زرا، مردِ بزرگ"
"میں وقت ہوں"، دور سے یہ آئی آواز

اے نوعِ بشر، وقت کی قیمت پہچان
سرمایۂ آفاق ہے ہر پل ہر آن
ہر لرزشِ مژگاں پہ نچھاور کونین
ہر سانس پہ، سو نظامِ شمسی قربان

آسائشِ بے کَراں ہے مِحنَت کا دَوام
دَولَت ہے کوئی تو کاوِشِ پُختَہ نِظام
ناساز ہُوا مِزاجِ صَد لَیل و نَہار
بِگڑا جو کَبھی ایک دَقیقے کا قِوام

(غرفۂ سوئم)

فن کار

یہ، تا بَزباں، سُخَن کے لانے والے
یہ، اَپنے ہی خوُن میں نہانے والے
وَاللہ کہ ہیں چَشم و چَراغِ آفاق
یہ ”فِکر“ کو ”آواز“ بَنانے والے!

رُخسارَۂ اِیں و آں، دَمَک اُٹھتا ہے
ہَر غُنچۂ رَنگ و بُو، چَٹَک اُٹھتا ہے
پَڑتی ہے جو مِضرابِ نِگاہِ فَن کار
آفاق کا ہَر تار کَھنَک اُٹھتا ہے

نَظریں، کَرتی ہیں نَصب، حُوروں کے خَیام
اَنفاس کی مَوج، ڈھالتی ہے گُل فام
آذر کَدَۂ فَن کے نِہاں خانے میں
پَلکوں کی جَھپک، تَراشتی ہے اَصنام

قاموسِ خیالات کے دھارے ہم ہیں
گردونِ محاکات کے تارے ہم ہیں
دیکھے جو ہمیں عرش تو گر جائے کُلاہ
ایوانِ سخن کے وہ منارے ہم ہیں

ہر خار کو زربار بنا دیتے ہیں
ہر خس کو چمن زار، بنا دیتے ہیں
ہر ذرّہ جادہ کو، بفیضِ رفتار
ہم مصر کا بازار، بنا دیتے ہیں

تخلیقِ ادب ہے وہ بلائے جاں کاہ
چبھتی ہے، رگِ دل میں، تخیّل کی نگاہ
جس کرب سے، الفاظ میں ڈھلتا ہے خیال
وہ کربِ جہاں شکن، عیاذاً باللہ

وہ جلوۂ صبح ہو، کہ تاریکیِ شام
فن کار کی قسمت میں نہیں ہے آرام
جدت، حرکت، ہمہمہ، ہلچل، ہیجان
ہر تارِ نفس پر ہے یہاں گرمِ خرام

ہم اہلِ سُخن ہیں، اِک زمانے سے جُدا
ہر بول ہے طنبورۂ ارشاد و ہُدا
فارانِ ہدایت پہ جو لہکیں تو رسُول
محرابِ خرابات میں چہکیں تو خُدا

مَیں ہی ناظرِ آسماں، اَدا سنجِ زمیں
میرے دَر پر جبینِ جبریلِ اَمیں
اَے اہلِ زمانہ، تُم ہو جس کی اَولاد
اُس آدمِ اَزلی کا مَیں فرزند نہیں

اس وقت سے ہوں، وقت کا جب تھا نہ شعور
موہوم تھا جب نظامِ شمسی کا ظہور
حرفِ "کن" تو ہے ایک طفلِ مکتب
میری آواز کی قدامت کے حضور

ہر سطر میں غلطاں ہیں، مرے جملہ صفات
ہر لفظ کے ایوان میں، خود ہے مری ذات
جو غور سے پڑھ رہا ہے میرے اشعار
میرے دل کے، وہ گن رہا ہے، ضربات

فردا کی زمین پر مکاں ہے میرا
امروز ، اک عصرِ بے زباں ہے میرا
بویا ہی نہیں گیا ہے اب تک جو شجر
اُس کی چوٹی پر آشیاں ہے میرا

لِلّٰہ اَب اِس حجابِ منزل سے نکل
تابانیٔ حق ظُلمتِ باطل سے نکل
حاضر ہے، پئے سجود، قیسِ ایماں
اے لیلیٔ کُفرِ جوش، محمل سے نکل

مُجھ سا، کوئی مے کدے میں ہے بھی ساقی
جس میں ہو گرج بھی، اور لے بھی ساقی
میرے لہجے کے، طُرفہ زیر و بم سے
چھنتا ہے لہو بھی، رنگِ مے بھی ساقی

موجِ تسنیم، قلبِ سوزاں پہ نثار
ابرِ فردوس، فکرِ جولاں پہ نثار
صد جامۂ کیقباد و صد خلعتِ جم
فن کار کے ایک چاکِ داماں پہ نثار

اَشعار کو، زرتا قبا دِیتا ہوں
اَفکار کو، آہنگ بَنا دِیتا ہوں
اَلفاظ کو بَخشتا ہوں رُوئے اَصنام
آواز کو، آنکھوں سے، دِکھا دِیتا ہوں

تَلوار کو لَچکاؤں، تو مَرہَم ٹَپکے
مَرمَر کو، فِشار دُوں تو زَمزم ٹپکے
بَخشا ہے تَخَیُّل نے، وُہ اِعجاز مُجھے
شُعلے کو، نچوڑ دُوں، تو شَبنَم ٹَپکے

یہ کعبۂ فَن کار ہے، جانِ حَرَمَین
دِیکھو، کم ہو سکے نہ فصلِ قوسَین
اَعیانِ سماوات، جھکو بہرِ سلام
جبریلِ اَمیں، اُتار ڈالو نعلَین

ایک آن میں، جلوؤں کو پَرَکھ لیتا ہوں
اَیوانِ جَمال، دِل میں رَکھ لیتا ہوں
مُکھڑوں کی مِٹھاس، اَنکھڑیوں کی مے کو
مانندِ زباں، نَظَر سے چکھ لیتا ہوں

معنی کا، زباں نے، گلا کاٹا ہے
حرفوں کی تجارت میں، بڑا گھاٹا ہے
افکار کے شہر میں ہے گھما گھمی
الفاظ کے میدان میں سناٹا ہے

پھولوں کی مہک، خار بنی جاتی ہے
تتلی کی جھمک، دھار بنی جاتی ہے
الفاظ میں ڈھل سکی نہ جو فکرِ جمیل
سینے میں وہ تلوار بنی جاتی ہے

ہاں خیلِ پیمبراں میں اپنا ہے بھرم
چلتے ہیں، تو پڑتے ہیں سرِ عرش قدم
قدسی جھکتے ہیں، جب اٹھاتے ہیں نگاہ
ہم تاجورانِ شہرِ قرطاس و قلم

* * *

صف بستہ ہیں کُل جہات، میرے آگے
رقصندہ ہے کائنات، میرے آگے
ہر صبح کو، آتی ہے، برافگندہ نقاب
کیا ذکرِ صفات، ذات، میرے آگے

دُنیا نے بہُت چلائے آرے ہم پر
جھپٹے، لاکھوں مُہیب دھارے ہم پر
تا عرش پہُنچ گئی سواری اپنی
اور بھونکتے رہ گئے ستارے ہم پر

اپنی ظُلمت خزینۂ شُعلۂ طُور
اپنی آشُفتگی، خروشِ منصُور
اپنی لب بستگی نشیدِ قُرآں
اپنی لُکنت، نوائے تورات و زبُور

شاعِر، اَرض و سَما کو ٹُھکراتا ہے
خُود مَوت کو خَطرے میں نَہیں لاتا ہے
کیا شان دِکھا رَہا ہے بَندے، اُس کو
اللہ کی جو دَھونس نَہیں کھاتا ہے

مَستی میں، گَریبان جو پھاڑا ہَم نے
گِیتی کا عَلَم، چَرخ پہ گاڑا ہَم نے
سَر پر لہرائے صَد نِظامِ شَمسی
جب دامَنِ تَخَیُّل کو جھاڑا ہَم نے

دِل کو، کَبھی تُخمِ بُغض بونے نَہ دِیا
ہَم وُہ ہَیں کہ دُشمن کو بھی رونے نَہ دِیا
بِگڑے بھی کِسی سے تو، غَضب پَر اَپنے
سُورَج کو کَبھی غُرُوب ہونے نَہ دِیا

سِینے کے دَریچوں کو کھُلا رکھتا ہُوں
ہَر غُرفۂ خال و خط کو وا رکھتا ہُوں
آنکھوں میں جھلکتا ہے، دَھڑکتا ہُوا دِل
وُہ چہرۂ اِحساس نُما رکھتا ہُوں

کیا خوب ہے، ہم اہلِ سخن کا بیوپار
آہوں کی دُکان میں ہیں نالے کے انبار
کانٹوں سے پٹی پڑی ہے اپنی منڈی
پھولوں سے مہک رہا ہے اپنا بازار

چُپ سادھ چکے، تو انجمن میں بولے
لب بند کیے، تو قُفلِ معنی کھولے
آہیں، جب بھر چکے، تو نغمے برسائے
آنسو، جب پی لیے، تو موتی رولے

ہَم اہلِ سُخَن ہَیں، ایک جنسِ نایاب
لَب سوزِ نہاں سے خُشک، لہجے شاداب
مَنڈی میں خَریدتے ہیں آہ و شیوَن
بازار میں بیچتے ہیں طاؤس و رَباب

تخیّل کی بَدلی ہے، طَرَب کی بَوچھار
نَوحوں کی زَمین پر ہے، نغموں کی پھُوار
ہَر ضَربتِ دِل ہے ایک "سا رے گا ما"
ہَر موجِ نَفَس ہے اِک مُسَلسَل جھَنکار

ہر موجِ نفس میں تیرتا ہے بھالا
روز، آگ میں جھونکتا ہے دِل کا چھالا
یہ فکرِ سخن کا ہے جہادِ اکبر
یہ "کُن" کا نہیں کھیل، جنابِ والا!

جب، گور کے در تک، دلِ جاں آ آیا
تب، یار، سرِ جلوہ گہِ ناز آیا
برسوں، رگِ جاں پہ جب چلائی تلوار
تو، حرف تراشنے کا انداز آیا۔

ذرّوں کو، خورشید و ماہ بنا لیتے ہیں
تاروں کو، پرِ کاہ بنا لیتے ہیں
جب، فکر میں، ہم لوگ جھکاتے ہیں جبیں
اللہ کو، رصدگاہ بنا لیتے ہیں

کربِ تخلیقِ شعر کی تھاہ نہیں
خود سے ہوتی ہے زندگی برسرِ کیں
جب، دل سے ٹپکتی ہیں لہو کی بوندیں
تب، خاتمِ شاعری پہ جڑتے ہیں نگیں

ہر موجِ نفس میں تیرتا ہے بھالا
روز، آگ میں جھونکتا ہے دِل کا چھالا
یہ فکرِ سخن کا ہے جہادِ اکبر
یہ "کُن" کا نہیں کھیل، جناب والا

جب، گور کے در تک، دِل جاں اُڑ آیا
تب، یار، سرِ جلوہ گہِ ناز آیا
برسوں، رگِ جاں پہ جب چلائی تلوار
تو، حرف تراشنے کا انداز آیا

چہرے پہ لیے، صولتِ اقطابِ کبار
عصیاں در آستین و عصمت بکنار
میزان و پُلِ صراط، پیچھے ہٹ جاؤ
محشر کی طرف، وُہ آرہا ہے فن کار

آفاق کو. طُرفہ شان دی ہے ہم نے
دل میں جو چُبھے، وُہ آن دی ہے ہم نے
اے فرش، تجھے عطا کیے ہیں نغمات
اے عرش، تجھے زبان دی ہے ہم نے

بے کار رہوں، تو سر کو شعلے چٹخائیں
ہر خون کے قطرے میں شرارے لہرائیں
بیٹھوں جو کبھی فکر سے خالی ہو کر
پل بھر میں دماغ کے پرخچے اُڑ جائیں

کشتی جو مری سُبک سُبک جاتی ہے
پیشانیٔ ابر و باد جھک جاتی ہے
کھلتا ہے جو بادبان میرا سرِ بحر
بپھرے طوفاں کی سانس رک جاتی ہے

اُڑتے ہیں، مَقامِ غَم میں تیرے اوسان
مُجھ کو، آنسو ہے ایک موتی کی دُکان
طُوفان میں ڈُوبتی ہے تیری کشتی
میری کشتی میں ڈُوبتا ہے طُوفاں

گرداب میں ہم بصد خُوشی جاتے ہیں
یُوں جھُوم کے مَرتے ہیں کہ جی جاتے ہیں
تُم وُہ ہو، سَمندر جنھیں کھا جاتا ہے
ہَم وُہ ہیں، سَمندر کو جو پی جاتے ہیں

طوفان پہ ہنستا ہے سفینہ اپنا
پتھر کو کچلتا ہے نگینہ اپنا
تو، دھوپ سے بھاگتا ہے سائے کی طرف
سورج کو بجھاتا ہے پسینہ اپنا

کل صبح کو مَیں بشہپرِ سوز و گداز
پہنچا جو سرِ عرش — اٹھا پردۂ راز
اور جھوم کے جب ایک قدم اور بڑھا
قوسین کے ٹوٹنے کی آئی آواز

اِس مَنظرِ عِبرَت کو بھی دِیکھ اَے فَن کار
بَدبِیں کی نَظَر وُہ اَلگَنی ہے پُرخار
جِس پَر لَٹکے ہُوئے ہیں، کانٹوں کی طَرَح
رَیحان وَ بَنَفشہ وَ گُل وَ سَرو وَ چَنار

اَے وائے بَرآشُفتَگیِ ذَوقِ بَیاں
آئیں کَیاؔ دِل کی دَھڑکَنیں، تا بَزَباں
اَلفاظ ہَیں جُھلسے ہُوئے خِرمَن کا غُبار
آواز ہے سِیلے ہُوئے اِیندَھن کا دُھواں

دانا ہو اگر، تو شاعری کو سمجھو
کہتا ہوں جو بات، اُسے گرہ میں باندھو
"کیا بات کہی گئی ہے؟" - اِس پر نہ اڑو
"کس طرح کہی گئی ہے؟" - اِس کو دیکھو

اِحساس کا طوفان نہیں دے سکتا
نغمات کی میزان نہیں دے سکتا
گا تو سکتا ہوں مَیں تُمہارے آگے
لیکن مَیں تُمھیں کان نہیں دے سکتا

یک مصرعِ آب دار و صد باغِ نعیم
یک حرفِ روان و صد خرامِ تسنیم
یک معنیِ بکر و گنج ہائے آفاق
یک شعرِ جمیل و دولتِ ہفت اقلیم

اشعار کی فکر سے، بدن ہے نیلا
اور چہرہ، معاش کی طلب میں پیلا
اے ابرِ خیالات مسلسل نہ برس
ہو جائے نہ مفلسی میں آٹا گیلا

ہَم سا، دُنیا میں، کَون ہو گا اَوباش
رہتے ہَیں، بِساطِ حُزن پر بھی بشّاش
آہوں سے، جو گُوندھتے ہَیں لَے کا سہرا
ہَم اہلِ سُخن ہَیں وُہ اَنوکھے عَیّاش

* * *

مَوّاج ہے، دِل میں، شادمانی اَب تک
پیری کی بَغَل میں ہے جوانی اَب تک
رُخ زرد ہے، بال نُقرَئی ہَیں، پھر بھی
تخیُّل کی چوڑیاں ہَیں دھانی اَب تک

لہریں لیتا ہے نور، میرے دل میں
جلتا ہے چراغِ طور، میرے دل میں
خیطِ ابیض کو جھنجھنا کر، جس وقت
گاتا ہے مرا شعور، میرے دل میں

ہم، ابرِ گہر بار ہیں، سبحان اللہ
خلاقِ فسوں کار ہیں، سبحان اللہ
لب، عید کے چاند ہیں، زہے تابِ جمال
دل، مصر کے بازار ہیں، سبحان اللہ

زاغوں کی صدائیں گُم ہے بانگِ قُلقُل
عشرت گہِ بوم میں ہے رقصانِ بُلبُل
بہروں کی سبھا میں نغمہ زن ہے فن کار
گندے نالے پہ لقب ہے خیمہ گُل

ہم پر چلتا نہیں غمِ دہر کا داؤں
شعلوں پر بھی تو ڈگمگاتے نہیں پاؤں
جو مہرِ قیامت سے بھی لڑ سکتی ہے
سر پر ہے، وہ گھنگھور خیالات کی چھاؤں

غنچۂ چہارم

دہقان و تہذیب

سنہ ۱۹۵۱ء میں ایک صاحب نے (اللہ اُن کی روح کو نہ تڑپائے) لکھنؤ کی تہذیب کا بہت بُری طرح مذاق اڑایا اور اپنے پتھریلے کھردرے لہجے میں، اُس حریمِ ثقافت پر اَبرہہ کی طرح حملہ کیا تھا جس سے مُتاثر ہو کر میں نے یہ رُباعیاں کہی تھیں —

یہ میری پہلی اور آخری ہجوگوئی ہے، عہد کر چُکا ہوں کہ اب، زندگی بھر اس قبیحت کا ہاجی اَدب خلق نہیں کروں گا۔

اَب کھائی تو کھائی، اَب کھاؤں تو رام دُہائی!

سو بات کی ہے یہ بات، یارانِ کبار
وہ نسل ہو، تہذیب سے کس طرح دُوچار
جس نسل کی نبض میں۔ بجبرِ تاریخ
تہذیبِ نیاگاں کی نہیں ہے جھنکار

جیسے ہی کہ عالموں سے ہوتے ہیں دوچار
جُہّال کو، بہلا کے، چڑھتا ہے بُخار
مردانِ مہذب پہ جو پڑتی ہے نگاہ
"زنخا" انھیں، ادبدا کے کہتے ہیں گنوار

بدوی، آنکھیں جھکائے، ممکن ہی نہیں
شہری پہ نہ مسکرائے، ممکن ہی نہیں
دیکھے جو خمِ سلامِ اہلِ تہذیب
بونگے کو ہنستی نہ آئے، ممکن ہی نہیں

کچھ تو نے سُنا؟ یارِ لطافت آگاہ
کل ایک گنوار کہہ رہا تھا سرِ راہ
گُل میں وُہ بھبک ہے کہ الٰہی توبہ
گوبر میں وُہ لپٹیں ہیں کہ سبحان اللہ

* * *

گو جہل کی کیچڑ میں سنے بیٹھے ہیں
پر مسندِ علم پر تنے بیٹھے ہیں
بُدّھو، بھوندو، بلاؤ، لبوڑم، بھونگڑ
بُقراط کے اُستاد بنے بیٹھے ہیں

پتھر نے کہا کہ "شان مجھ کو نہ دکھائیں
کہہ دو کہ لطافت پہ نہ اتنا اترائیں
ہیرے صاحب کی آب رُو ہی کیا ہے
میں، ان پہ جو گر پڑوں تو ٹکڑے اُڑ جائیں"

"میری بدنیتی کا ناسور بھرے
ہر ایک قمر جبیں و گل چہرہ مرے"
ڈھڈو نے جوانوں کو جو دیکھا تو کہا
یہ خاک کے پیوند ہوں، اللہ کرے

نُدرت نا آشنا، لَطافت بیزار
کھاتے ہَیں، گُلِ تَر کے تَصَوُّر سے بھی خار
جَب مور کو دِیکھتی ہَے، کہتی ہَے یہ ہَنسنی
پھٹکار، اَے بے حیا نَچنیے، پھٹکار

بَھاتا نہیں، ایک آنکھ بھی، اَچھّوں کا وُجُود
ہَر چہرۂ خُوب — زِشت رُو کا مُحسُود
کانے نے، دو چَشمیوں کو دیکھا تو کہا
مَر جائیں یہ دوغلے، دُو نَینے، مَردُود

ظلمات کی نظروں میں زبوں ہیں انوار
وحشی کے لیے ننگ ہے سیرِ گل زار
تتلی پہ نظر پڑی تو مکھی نے کہا
کسبی، ہرجائی، مال زادی، مردار

کل، ابر سے جب ڈھکا ہوا تھا جنگل
برسات سے، ایک ہو چکے تھے جل تھل
کوئل کوکی، تو جل کے بولی اک چیل
کلموئی، اکل کھری، چھچھوری، شفتل

"آبِ شیریں سے، کَب تَک آنا کانی"
"لازم ہے، اِدھر آئے، ہَر اِک جَل رانی"
کھاری پانی کی مَچھلیوں نے یِہ کَہا
"اَے آگ لگے، خَبیث میٹھا پانی"

(غُرفۂ پنجم)

جمالیات

جمالی پہلو

عالَم ہے تمام کہکشان و پرویں
ذرّات پہ برگِ گُل فضا پُر نسریں
آیا وہ مرا دُشمنِ ایماں، آیا
لے داورِ اطلاق، یہ دُنیا ہے یہ دیں !!

جنّت کی بہاروں کا نکھارا مُکھڑا
بیلے کی کلی، صُبح کا تارا مُکھڑا
کوثر کی مُصَدِّق ہے، تُمھاری آواز
حوروں کا ثبوت ہے تُمھارا مُکھڑا

اَلماس کی کان ہیں، تُمھاری آنکھیں
شُعلوں کی زباں ہیں تُمھاری آنکھیں
اَرجُن کی کَمان ہیں۔ تُمھارے اَبرُو
بَرچھوں کی دُکان ہیں، تُمھاری آنکھیں

ماتھے پہ، یہ اوڑھنی کا، پلّو، آڑا
گھٹنوں پہ، یہ لٹکا ہوا، ترچھا ناڑا
یہ صبح، یہ شربتی دلائی، یہ لٹک
مکھڑے پہ، یہ بولتا گلابی جاڑا

چونکی جو وہ سلمائے زمیں، حورِ فلک
رگ رگ میں لیے، خوابِ جوانی کی کھٹک
گالوں پہ برس کے، کھل گیا نیند کا ابر
انگڑائی کے پردے سے، نکل آئی دھنک

تا دُور نظر آئی فضا چقماقی
ہر ذرّہ بنا انجمنِ اشراقی
اِک چہرہ، بھرا بھرا، وُہ دیکھا دمِ صبح
آنکھوں میں جگہ رہی نہ تِل بھر باقی

ساحل پہ اُگل رہا ہے دریا موتی
تا دُور جھلک رہے ہیں آہا موتی
تیرے لب پر کھنک رہے ہیں یوں حرف
شیشے پہ برس رہے ہیں گویا موتی

کیا تجھ میں پھبن ہے، اے مرے طفلِ مجوس
نظروں کو، مٹھاس ہو رہی ہے محسوس
گالوں پہ، اتر رہی ہے پھولوں کی برات
آنکھوں سے نکل رہا ہے رنگوں کا جلوس

تیری ہر ادا پہ کیوں نہ دل ہو نہلوٹ
میٹھی ہے، ترے ہات کے پتھر کی بھی چوٹ
یوں ہے، ترے لاگ میں لگاوٹ گویا
بیساکھ کی چولی میں ہے برسات کی گوٹ

تیری آواز میں، نُکیلی گھاتیں
پلکوں کی جھپک میں۔ گُنگُناتی باتیں
گالوں پہ بہار کی سُہانی صُبحیں
بالوں میں، کُنوار کی نَشیلی راتیں

راگوں کا چمن پھبک رہا ہے، آہا
دِل میں کوندا لپک رہا ہے، آہا
ہر موئے مژہ لرز رہا ہے، اوہو
ہر تارِ نظر کھنک رہا ہے، آہا

کیا طُرفہ لٹک ہے یارِ جانی تیری
لب سُرخ ہیں، چوڑیاں ہیں دھانی تیری
گوکُل کا سُہاگ ہے تبسُّم تیرا
رادھا کا لڑکپَن ہے جَوانی تیری

تیرے ہونٹوں میں بوئے گُل کے گِرداب
پلکوں کی گھنی چھاؤں کہ معمُورۂ خواب
آنکھوں میں کھنَن کھنَن اُمنگوں کے سُبو
پلکوں پہ جھنَن جھنَن ترنگوں کے رَباب

یہ چاند کا گھیرا ہے کہ تیرا مُکھڑا
فردوس کا ڈیرا ہے کہ تیرا مُکھڑا
جنگل کی یہ راتیں ہیں کہ تیری زُلفیں
پربت کا سویرا ہے کہ تیرا مُکھڑا

کل چونک کر اُس نے بتقاضائے خُمار
انگڑائی جو لی، ٹوٹ گیا رات کا ہار
اور سُرخ ہتھیلیوں سے آنکھیں جو مَلیں
ڈوروں سے اُبل پڑی دُودھاری تلوار

رقاصہ کی تانوں پہ تھرکتا ہے قمر
توڑا لیتی ہے تو برستے ہیں گہر
ہلتا ہے جو ایک بار تارِ گردن
سو بار لچکتی ہے دو عالم کی کمر

یہ رات لئے، طُرفہ خرابات کا شور
چکرائے سے یہ چاند، یہ اونگھے سے چکور
الھڑ متوالیوں کو دیکھے تو کوئی
یہ نشّے گھنے گھنے، یہ نیندیں گھنگھور!

کل صُبح کو، یُوں ہُوئی وہ اُٹھ بیدار
جس ناز سے پڑتی ہے، دُھندلکے میں پھوار
آنکھوں نے، خرابات کے در کھول دیئے
انگڑائی نے، جھُوم کر، چلا دی تلوار

مَسلا، تو حَیا چلت پھِرت میں آئی
شوخی بھڑکی، ادا نِرت میں آئی
چھیڑا، تو چٹک گئی جوانی کی کلی
کُوکا، تو کمانی، حرکت میں آئی

اَلھڑ نے، جوانی کی سُنی جب آہٹ
جوبن چٹکا، رگوں میں گونجی انوٹ
سنکی، ہر رونگٹے میں پُروا سن سن
برکھا آئی، بدن نے اُلٹا گھونگھٹ

رُخ پہ جو تبسم سا دمک اُٹھتا ہے
ہونٹوں پہ، ترا وعدہ تھرک اُٹھتا ہے
حیلے کی دُلائی کا سُنہرا لچکا
آنکھوں کے کناروں پہ چھلک اُٹھتا ہے

یہ رات گئے، تری جماہی، توبہ
ہلچل میں، یہ آنکھوں کی سیاہی، توبہ
اعضا، کا یہ پیچ و تاب، اللہ غنی
یہ، نیند کے جھپان، الٰہی توبہ

کل شب کو، چھری چلا گئی وہ چیت چور
دھڑکا یوں دل کہ سنسنائی ہر پور
ایک آنکھ کو، تھوڑا سا دبا کر، اُس نے
اک طُرفہ ادا کے ساتھ، کھٹکی جب کور

اُلجھے ہُوئے، آنکھڑیوں کے سب ڈورے ہیں
عشووں کی فَتن پہ مَلگجے تورے ہیں
ہر بول میں اِک بھیڑ ہے بدمستی کی
ہر سانس میں، سو نیند کے ہلکورے ہیں

آنکھیں مَلتی کبھی جو وُہ آتی ہے
آنگن میں، گُلابی سی چھلک جاتی ہے
قدموں کی دھمک، دِل میں بجاتی ہے رباب
قامت کی لچک، خُون میں بل کھاتی ہے

سُنتے ہیَں جو ماہ وَش، مِرے دِل کی پُکار
رہ رہ کے لَرَزتے ہیں خَد و خال کے تار
پَڑتی ہے مِری نَظَر کی جونہی مِضراب
بَجنے لگتے ہیں کَم سِنوں کے رُخسار

جَمالیات

جَلالی پہلو

گُفتار سے ہوتے ہَیں دِل و جاں پامال
رَفتار جگاتی ہَے، کروڑوں بھونچال
عَشووں سے دَھڑکتا ہے دِلِ اَرض و سَما
دِل چَسپ نہَیں، مُہیب ہوتا ہَے جَمال

تِرچھی جو نَظَر کَرے تو پَتّھر گُڑ جائے
شُعلوں کی طَرَف تمام عالَم مُڑ جائے
ہَر موئے بَدَن سے، اُٹھ رہی ہَے وہ لَو
چھو لے کوئی اِنسان تو بَھک سے اُڑ جائے

ہر موجِ نفس میں، جذبۂ صف شکنی
ہر تارِ نظر میں، دعوتِ سینہ زنی
یہ بُت کدہ کوبِ ناز، توبہ توبہ
یہ، کعبہ شکن غرور، اللہ غنی

دِیکھے تھے، بہاروں نے، کب ایسے انداز
رنگوں کا تناسُب، اور بحدِ اعجاز
دِیکھا جو اُسے تو دفعتہً گونج اُٹھی
گُل زار میں جَلَّ شانہٗ کی آواز

یہ جلوۂ خوں خوار ، الٰہی ، توبہ
ناگن کی یہ پھنکار ، الٰہی ، توبہ
زد پر جو آ گیا ، لہو میں ڈوبا
مکھڑا ہے کہ تلوار ، الٰہی ، توبہ

یہ حسنِ جہاں سوز ، عیاذاً باللہ
سر تا بقدم ایک عذابِ جاں کاہ
پتھر کو تراش دے ، جھکائے جو نظر
بستی کو اجاڑ دے ، اٹھائے جو نگاہ۔

اے آئینۂ گلشن و گلخن تمثال
اے مرکزِ کرب و کیف و شمشیر و ہلال
اے قلزمِ نور و نار، تیری زد پر
قائم رہ جائے، ہے کسی کی یہ مجال؟

ہاں، بھاگ کھڑے ہو کہ اسی میں ہے بچاؤ
جانوں کی نہیں خیر، ارے ہوش میں آؤ
نظّارگیانِ حُسنِ بُرّاں طلعت
دیکھو، مَلَکُ الموت سے آنکھیں نہ لڑاؤ

اللہ، یہ عیسیِٔ ہلاکت انگیز
جو الٰہِ وقت الٰہ و تُند و خوں ریز
پانی بھرتے ہیں اس جفاگر کے حضور
حجاج و ہلاکو و یزید و چنگیز

پیاسی ہے ترے خون کی ہر گل بدنی
ہر لرزشِ مژگاں میں ہے ناوک فگنی
ہاں، قامتِ بالا کے خم و چم پر نہ جا
یہ شمر کی تلوار ہے، خولی کی انی

اُفّوہ، یہ کافر ہے، بہت سخت حسیں
پاپی خد و خال ہیں کہ ماہ و پرویں
یہ آن، یہ عربدے، یہ اَلوٹ، یہ لٹک!
اے بارِ خدا، قابلِ برداشت نہیں

ملتے ہی نظر، دِل پہ تبر لگتا ہے
اِک تیر سا، اے رشکِ قمر لگتا ہے
یہ کون سا عنصر ہے: ترے مکھڑے میں
نظریں جو اُٹھاتا ہوں تو ڈر لگتا ہے

لہجے کی ٹھکور سے، کھنکتی باتیں
آنکھوں میں، خرابات کی بھیگی راتیں
یوں بول مچل رہے ہیں تیرے لب پر
جیسے ریشم پہ بیل بوٹے کاتیں

اللہ ری، پُر شور جوانی کی اُٹھان
ہلچل، ہنگامہ، گونج، آندھی، طوفان
اُٹھتی ہیں جو آنکھیں تو جھلکتی ہے کٹار
ہلتے ہیں جو ابرو تو کڑکتی ہے کمان

(غُرفۂ ششُم)

طُلوعِ سَحَر

آں سَحَر خیزم کہ مہ را در شَبستاں دیدہ اَم!

خورشید ابھر رہا ہے، با صد الوان
افلاک پر، آیات کے جنباں ہیں نشان
گیتی کو پیمبری کا منصب دینے
گردوں سے اتر رہا ہے گویا قرآن

قیدِ غفلت سے، زندگی چھوٹ گئی
چھائی ہوئی ظلمت کی کمر ٹوٹ گئی
دوشیزۂ صبح نے پپوٹے جو ملے
پو پھٹ گئی، زرتار کرن پھوٹ گئی

کُہرے سے ہے جبینِ گُلشن پہ شکن
جھونکے ہیں دلِ برگ و ثمر کی دھڑکن
کانٹوں کے سروں میں، سرسراتی سی کھٹک
پھولوں کی رگوں میں سنسناتی سی چبھن

کرنوں سے چھلک رہا ہے گیتی کا ایاغ
ذرات ہیں، یا لالۂ فردوس کے باغ
غُرفوں کے یہ شیشے ہیں کہ سونے کے ڈلے
شبنم کے یہ قطرے ہیں کہ مندر کے چراغ

یہ خُفتہ فضا، یہ خیطِ ابیض کا نکھار
دوشِ انوار پر یہ مینا بازار
یہ صُبح کی پیشواز، گنگا جمنی
الوان کی بدلی سے، یہ راگوں کی پھوار

کہسار کے ابر پر، کرن رقص کناں
لچھے منقّش کے، فضا پر غلطاں
ٹوپی ترچھی کئے ہوئے تازہ افُق
اطلس پہنے ہوئے جہانِ گُزراں

کورے پنڈوں کی، نرم پیاری صُبحیں
پابندِ حیا، راج کماری صُبحیں
بیاہی صُبحوں سے دل لگائے کیوں کر
جس کی محبوب ہوں کنواری صُبحیں

ہر صُبح باندازِ دِگر آتی ہے
تھالی میں لیے، نئے گُہر آتی ہے
ہر روز، ابھرتی ہے اُفق پر، لیکن
ہر بار، نئی دُلھن نظر آتی ہے

یہ صُبحِ سرِ کوہ، یہ پُروا سَن سَن
ہر سَمت پہ کُہرے کی لرزتی چِلمن
یُوں پھُوٹ رہا ہے رَنگ وادی جیسے
مَلمَل کے دُوپٹّے سے مُہکتا جوبَن

بدلی کی، فلک پہ مُنھ اَندھیرے تگ و تاز
شورِ باراں کے دوش پہ بانگِ نماز
گرتی ہُوئی انوارِ اُفُق کی دیوار
بیٹھی ہُوئی —— پھُوٹتی کرن کی آواز

یہ وقتِ سحر، بھاؤ بتاتی ہوئی آگ
یہ سرد ہوا، یہ سنسناتی ہوئی آگ
گوکل میں، چہک رہی ہیں گویا رادھا
یوں، سُرخ الاؤ میں ہے، گاتی ہوئی آگ

بدلی میں کھنک رہی ہے صبحِ کہسار
کرنوں میں دھواں ہے، اور دھوئیں میں گلزار
اونچی تانیں اُگی ہوئی ہیں، تا دور
یا، بر بہ ہے یہ گھنے درختوں کی قطار

اَنجن، کَشتی دُھویں کی کِھیتا گُزرا
اِک شُعلہ سَا، اَنگڑائی سی لیتا گُزرا
گویا، کوئی شوخ چَشم آگیا بَتیاں
سَلمائے سَحَر کو چُھوئی دِیتا گُزرا

یہ چَرخ پہ، بَدلیوں کی گھائیں، سَاقی
یہ، صُبح کو، راتوں کی بَراتیں، سَاقی
ہاں، کاگ اُڑا کہ پَرفشاں ہیں، سَر پر
اُڑتے خیمے، دواں قنَاتیں، سَاقی

پربت پہ یہ، صبح کی، ہوائیں، ساقی
بربط بردوش یہ صدائیں، ساقی
سر پر یہ نہیں گھنے درختوں کی قطار
یہ، نصب ہیں پابگل گھٹائیں، ساقی

یہ وقت، اور آوازِ جلالی، ہے ہے
یہ، لحنِ سحر کی پائے مالی، ہے ہے
تو نے اے بدگلو، بضرباتِ اذاں
انگڑائی صبا کی توڑ ڈالی، ہے ہے

پتّوں کے خزانوں کو لُٹاتی آئی
سوتی ہُوئی کلیوں کو جگاتی آئی
تخیُّل کے دائرے میں جھنکی پازیب
اِس طرح نسیم گنگناتی آئی

"ہاں، یورشِ ظلمات نہیں جائے گی"
"تاریکیٔ ذرات نہیں جائے گی"
سورج نے، اُبھر کر یہ کہا۔ "دِن ہو جائے"
کُہرے نے کہا، "رات نہیں جائے گی"

کَل صُبح کو، بُستاں نے پُکارا مُجھ کو
بازارِ نِگاراں نے پُکارا مُجھ کو
رَوندی ہُوئی پتّی پہ جمائی جو نِگاہ
سَرکارِ بَہاراں نے پُکارا مُجھ کو

ساحل پہ طُلوع کا یہ جوبَن، آہا
جِھلمِل جِھلمِل رَقیق کُندَن، آہا
دھارے ہیں رَواں دَواں یہ گوٹا لَچکا
لہروں میں جَگر جَگر یہ کَنگن آہا

کس کے مقدم میں یہ اُفق ہے رنگین
کس کی دُھن میں، صبا نے چھیڑی ہے یہ بین
کس کی خاطر بنا ہے، اے ابر و شعاع
مُقیّش کا یہ رواں لہریا قالین

دمکائی ہے سورج نے ابھی نصف جبیں
سوسن سے ہے فضا، فرشِ زمیں ہے نسریں
پٹری پہ جو غلطاں ہے یہ ننھی سی کرن
ڈرتا ہوں کہ ریل سے نہ کٹ جائے کہیں

گردُوں پہ، بصد ناز، پسِ ابرِ سیاہ
صف بستہ، انگارِ صُبح کی سُرخ سپاہ
یہ کاکُل و رُخ کا رشتہ، چشمِ بد دُور
یہ ظنّ و یقیں کا ربط، ماشاء اللہ

پھولوں میں ہے، وہ صُبح کی افسوں کاری
ہر سمت ہے، اِک دجلۂ خوشبو جاری
ڈوبا نظر آتا ہے نظامِ آفاق
کتنی گہری ہے، پنکھڑی کی دھاری

یہ پھول سا وقتِ صبح، اور یہ ڈُھکار
یہ گونج، یہ گھن گرج، یہ گھڑگھڑ، یہ گُہار
طیّارۂ نامراد، صد حیف کہ تو
تتلی کے خوش آہنگ پر دل پہ ہے سوار

جب شکستہ ہوتی ہے سحر، بر سرِ جنگ،
اٹھتی ہے دلِ تپاں میں یوں طرفہ امنگ
جلتے کاغذ کی لَو کے آگے آگے
جیسے چلتا ہے ایک باریک سا رنگ

سُرخی چھائی اُفق پہ گاگر چھلکی
شانوں سے ستاروں کے دُلائی ڈھلکی
رنگوں کی بَرات میں دُھندلکا تھرکا
پھولوں کی کٹوریوں سے شبنم چھلکی

دریائے طلوع میں ہیں زرّین گرداب
الوان اُلٹ رہے ہیں مُکھڑوں سے نقاب
شانوں پہ لئے ہُوئے ہے خوابیدہ فضا
سونا، چاندی، گُلال، کاجل، کمخواب

۱۹۵۷

یہ، صُبح کے سُرخ گال، آہا، ہا
سونے کے فَضا پہ جال، آہا، ہا
ٹَپ ٹَپ، شاخوں سے اوس، اوہو، اوہو
رِم جِھم، رِم جِھم گُلال، آہا، آہا

(غُرفَۂ ہَفْتُم)

غُروبِ جَمال

ہَم پَر بھی، حَسینوں کا کَرَم تھا اِک روز
اِس قَوم میں اَپنا بھی بَھرَم تھا اِک روز
بے زار نِگاہوں کی گُزَرگاہ ہے اَب
یہ چِہرہ جو نَظَروں کا حَرَم تھا اِک روز

حُسن و عشق کا باہمی ارتباط، شباب کے مہکتے خیاباں سے ہوتا ہُوا، جب شیب کے دہکتے ریگستان میں قدم رکھتا ہے، اور تسلسلِ عشق و درازیٔ عُمر کے گرم و سرد دریا، جب آگے بڑھ کر ایک ہو جاتے ہیں، تو تھکی ہُوئی زندگی کے سامنے، ایک ایسا دُھندلا دُھندلا ساحل آ جاتا ہے کہ اُس کی بے پناہ اُداسیوں پر نگاہ کر کے، اگر روتے روتے آنکھیں پھوٹ جائیں، اور دھڑکتے دھڑکتے دل ڈوب جائے تو یہ ایک ایسا متوقع حادثہ ہو گا کہ کسی دیکھنے والے کو اس پر تعجب کرنے کی جُرأت نہیں ہو سکے گی۔

کون اس عبرت ناک صورتِ حال کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ نامُراد ماہ و سال کا وزن جب گردن کو سُن کر دیتا ہے، اُس وقت ماضی کی طرف مُڑ کر دیکھنے سے گردن کے اعصاب، اور اُس کے ساتھ دل کی رگوں پر کیا قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔

جس پر یہ بپتا کبھی پڑی ہی نہ ہو وہ کیوں کر سمجھ سکتا ہے کہ جب چاہنے والے کا چہرہ اُدھڑ اور محبوبہ کا مُکھڑا اجڑ جاتا ہے اور اُس بے کسی کے اتھاہ عالم میں، فریقین کی خوگرِ جمال آنکھیں جب ایک دوسرے کا اُترا ہوا منہ دیکھتی ہیں تو وہ لمحہ اس قدر جاں کاہ ہوتا ہے کہ صرف زمین و آسمان ہی نہیں، خود سنگ دل موت کراہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

جوانی کے تلخ و شیریں عشق پر تو ہزاروں دیوان موجود ہیں لیکن وقت گزیدہ عشق پر غالباً اب تک کسی شاعر نے قلم نہیں اُٹھایا ہے —— شاید میں پہل کر رہا ہوں، لیکن اس شرمندگی کے ساتھ کہ میرے دل پر جو بیت چکی اور بیت رہی ہے۔ اُس کا کروڑواں حصّہ بھی سپردِ قلم نہیں کر سکا ہوں۔

کاش اِس کرۂ ارض کی بے شمار زبانوں میں کسی ایک زبان ہی میں اِس قدر پہنائی و توانائی ہوتی کہ انسان کے تاثّرات و احساسات کے کف در دہاں طوفانوں کی صرف چند موجوں ہی کو، الفاظ کے آنکڑے میں پکڑ سکتی۔

حیف اِس اتھاہ بے چارگی پر :-
آدمی محسوس کر سکتا ہے، کہہ سکتا نہیں !!

مدھم مدھم ہے ضو فشانی اُن کی
سونی سونی ہے راج دھانی اُن کی
طالع ہو مرے دل کے اُفق پر اے موت
مائل بغروب ہے، جوانی اُن کی

میرے سینے میں روشنی تھی جس سے
میرے پہلو میں زندگی تھی جس سے
اللہ، دُھواں دُھواں ہے اب وُہ مُکھڑا
کل، شہرِ طرب میں چاندنی تھی جس سے

پہلے تو ہُوا غروب میرا چہرا
پھر، یارِ قمر جبیں کا اُترا چہرا
شاید، مرے چہرے کو منانے کے لیئے
اُس شوخ نے بھیجا ہے خود اپنا چہرا

جگ مگ جگ مگ جوان پیارے چہرے
ہے ہے وُہ جگر جگر ہمارے چہرے
کس دشت کی سمت مُڑ گئے ہیں اے جاں
وُہ دجلۂ روشنی کے دھارے چہرے

مائلِ بخزاں ہے رنگِ بُستاں، ہے ہے
سُرخی میں سفیدی ہے نُمایاں، ہے ہے
دُھنکے سونے کی وُہ سُنہری زُلفیں
چاندی کی چھڑوں پر ہیں پَرافشاں ہے ہے

تیری آواز میں ہے نیساں اب تک
تیرے لب ہیں نوائے باراں اب تک
تیرا، وُہ صباحتوں کا مندر مُکھڑا
تیرے لہجے میں ہے درخشاں اب تک

تُم خاتمِ ہستی پہ نگیں تھیں اِک روز
آشوبِ دل و فتنۂ دیں تھیں اِک روز
آواز سے، اَب تک یہ پتا چلتا ہے
تُم کِتنی خطرناک حسیں تھیں اِک روز

اے وقت، اے رُوسیاہ خُونی حَیوان
جلوؤں کے گرا دیئے ہیں تُو نے ایوان
زرّیں زُلفوں میں بھر دیئے ہیں شُعلے
رنگیں باہوں کی توڑ ڈالی ہے کمان

فرہنگ پہ یہ قہر، ادب پر یہ عذاب
اپنے شاگرد پر، الٰہی یہ عتاب
شاعر کے حبیب کو ڈسے وقت کا ناگ
یوسف کے لیے آئے زلیخا پہ شباب

پہلے تو اُسے عطا کیا حُسن کا تاج
ایوانِ جمال کو کیا پھر تاراج
قدرت کے تراشے ہوئے بُت کو توڑا
کیا شان ہے، اے آذرِ محمود مزاج

آنسو، آنکھوں میں کس لیے ہیں اے جَان
جھُوٹا ہے یہ آئینہ، مِری بَات کو مَان
میری آنکھوں میں دِیکھ اپنا مُکھڑا
تو کیوں ہے اُداس اُداس، تیرے قُربان

* * *

مَدھم ہوتی نہ دِل ستانی اُس کی
قائِم رہتی ثمر فشانی اُس کی
آتا کیا تجھ پہ حَرف، اگر اے معبُود
ڈھلتی، مِرے آگے نہ جوانی اُس کی

فرہنگ پہ یہ قہر، ادب پر یہ عذاب
اپنے شاگرد پر، الٰہی یہ عتاب
شاعر کے حبیب کو ڈسے وقت کا ناگ
یوسف کے لیے آئے زلیخا پہ شباب

پہلے تو اُسے عطا کیا حُسن کا تاج
ایوانِ جمال کو کیا پھر تاراج
قُدرت کے تراشے ہُوئے بُت کو توڑا
کیا شان ہے، اے آذرِ محمود مزاج

آشوبِ گُل و سمن ہے، مَعلوم نہ تھا
غارَت گر و تیغ زَن ہے، مَعلوم نہ تھا
جَب تک کہ نہ دیکھا تھا زَوالِ جاناں
اَللہ بھی بُت شِکَن ہے، مَعلوم نہ تھا

جَب مَسندِ حُسنِ یار اُلَٹ جَاتی ہے
چَشمِ عاشق کی جوت گھَٹ جَاتی ہے
خَنجر کو جو کاٹتی ہے، وہ گَردَنِ عشق
رُخسار کی اِک شِکَن سے کَٹ جَاتی ہے

رکھنے کو محبت کا بھرم ، ملتے ہیں
باسلسلہ قول و قسم ، ملتے ہیں
صد حیف کہ رہتے تو ہیں اِک شہر میں ہم
پھر بھی ، اِک دوسرے سے کم ملتے ہیں

* * *

وُہ سن ہے، نہ وُہ دن ہیں، نہ وُہ راتیں ہیں
وُہ حرفِ دُعا ہے، نہ مُناجاتیں ہیں
کل تک تھیں جو اے جوش، اُپی تلواریں
اُلٹی ہُوئی دھار اب وُہ مُلاقاتیں ہیں

کیسی محفل ہُوئی ہے بَرہَم، اَے جاں
کیا وَقت کی لَو ہُوئی ہے مَدھَم، اَے جاں
اَب، قُرب میں ہے بُعد کا سَنّاٹا سا
کَل بُعد میں تھا قُرب کا عَالَم، اَے جان

وُہ جَذبَۂ اِختلاطِ پَیہَم نَہ رَہا
وُہ رَنگ، وُہ رَس، وُہ پیچ، وُہ خَم نَہ رَہا
اَب بھی وُہی تُم ہو، اَور وُہی ہَم لیکن
چہروں کے بَدَلتے ہی وُہ عالَم نَہ رَہا

اَب رِشتۂ گُفتگو کو کَیسے کاتیں
سونے ہُوے دِن ہَیں، سنسناتی راتیں
سیٹھے سیٹھے، بُجھے بُجھے سے فِقرے
پھیکی پھیکی، رُندھی رُندھی سی باتیں

چہروں پہ نہیں وہ خام کاری، ہَے ہَے
آنکھوں میں نہیں وہ بے قراری، ہَے ہَے
اُس سَمت ہَے آئینِ مُرَوَّت کا لِحاظ
اِس سَمت ہَے، پاسِ وَضع داری ہَے ہَے

بے مائگیٔ نیاز و افلاسِ گداز
نادارئ عشوہ و تہی دستئ ناز
کوتاہ نگاہوں کو بتاؤں کیوں کر
کیا حادثۂ عظیم ہے عمرِ دراز

مُجمر میں اگر تھا کل، اور اب آگ پہ لاکھ
اب، شمع نہ پروانہ، فقط موم اور راکھ
اے دورِ فلک، یہ دن دکھایا تو نے
دُنیا برکھا تھی کل، اور اب ہے بیساکھ

آنسو، آنکھوں میں کس لیے ہیں، اے جان
جھوٹا ہے یہ آئینہ، مری بات کو مان
میری آنکھوں میں دیکھ اپنا پرتو
تو کیوں ہے اُداس اُداس، تیرے قُربان

کیوں رُوٹھ گئیں مُجھ سے، کَراہیں میری
کس دیس میں جا بسی ہیں آہیں میری
اللہ، کدھر ہیں وُہ برستی آنکھیں
اَب، جن کو ترستی ہیں نگاہیں میری

پانی کی جھڑی ملہار گاتی تھی کبھی
بدلی، ہر آن، گھڑگھڑاتی تھی کبھی
میری نگری سے، اے گزرنے والے
برکھا اس دیس میں بھی آتی تھی کبھی

مُدّت سے وُہ تُحفے ہیں، نہ وُہ سوغاتیں
وُہ کوکتے لہجے، نہ کھنکتی باتیں
کس سے کہئے کہ اب جھمکتا ہے جو چاند
اس دل میں کراہتی ہیں کتنی راتیں

دیکھیں، اٹھتی ہوئی نگاہیں تیری
ابھریں، سینے میں جلوہ گاہیں تیری
کم بخت ہلالِ عید کل یوں دمکا
محسوس ہوئیں، گلے میں بانہیں تیری

کل ساحلِ خوابیدہ پہ اے پیکرِ ناز
جب صبح نے، زربفت کی پہنی پشواز
کھنکی، مندر میں یوں رسیلی گھنٹی
دھوکا یہ ہوا کہ آئی تیری آواز

تا سنگِ در، اب تک یہ جبیں جاتی ہے
دل کی جو کسک ہے وُہ کہیں جاتی ہے
ہر چند، برس کے کُھل چُکے ہیں بادل
بجلی کی تڑپ ہے کہ نہیں جاتی ہے

خوش بُو ہے وُہی مشامِ جاں میں اب تک
اِک گونج ہے محرابِ جہاں میں اب تک
مُدّت ہُوئی، کاروانِ گُل کو گزرے
لپٹیں ہیں غُبارِ کارواں میں اب تک

اک گونج سی، تن بدن میں لہراتی ہے
اک تان سی، زندگی پہ بل کھاتی ہے
پازیب اتارے، انھیں جگ بیت چکا
جھنکار ہے لیکن کہ نہیں جاتی ہے

روتا ہوں، کراہتا ہوں، چکراتا ہوں
سینے کو مسوستا ہوں، گھبراتا ہوں
جب خواب میں آتی ہو بطرزِ پیشیں
میں صبح کو، دل تھام کے رہ جاتا ہوں

یادوں کے دھندلکے میں رُلایا نہ کرو
سوتی ہوئی راتوں کو جگایا نہ کرو
رِسنے لگتا ہے پھر سے۔ دل کا انگور
ممکن ہو تو اب خواب میں آیا نہ کرو

یادو۔ صفِ ترکاں میں نہ لے جاؤ مجھے
صحنِ دلِ ویراں میں نہ لے جاؤ مجھے
قبریں ہیں جہاں دورِ طرب کی تا دور
اُس گورِ غریباں میں نہ لے جاؤ مجھے

سفا کی وقت سے جھگڑ لوں، تو چلوں
بھاگی ہوئی سُرخی کو پکڑ لوں، تو چلوں
جلدی نہ کر اے دل، کہ میں اُن کی جانب
رومال سے چہرے کو رگڑ لوں تو چلوں

مشرق کے ورق پہ تھی سُنہری تحریر
ظلمت میں تھرک رہی تھی، نورِ تنویر
اتنے میں جو سر پہ چہچہائے طائر
دیکھا کہ فضا پہ ہے تمھاری تصویر

اَنجام کے آغاز کو دِیکھا مَیں نے
ماضی کے، ہَر انداز کو دِیکھا مَیں نے
کَل، نام تِرا لیا، جو بوئے گُل نے
تا دیر اُس آواز کو دِیکھا مَیں نے

* * *

چہرے ہیں اُداس اُداس، گُم صُم طَرفین
اَچھا ہے کہ اندھی ہی رہے بِپت کی رَین
لَہجوں ہی سے دِیکھیں گے ہم اک دوسرے کو
آئے نہ چَراغ اَب ہَمارے مابَین

تیری زلفوں میں ہے کہانی میری
تیری پلکوں میں پریشانی میری
یہ جو تری آنکھوں میں ہیں غلطاں ڈورے
گزری تھی یہیں سے کل جوانی میری

مکھڑوں کو خس و خار میں ڈھالا تو نے
پھولوں کے جنازوں کو نکالا تو نے
اے وقتِ جہاں کوب کے چلتے ہوئے گھن
کتنے چاندوں کو توڑ ڈالا تو نے

جب شام کو جوئے خستہ بل کھاتی ہے
لہروں کی گرہ، سر پہ، منڈلاتی ہے
کس ناؤ کے ڈوبنے کی دل پر ہے چوٹ
ساحل کی ہوا کھائی نہیں جاتی ہے

* * *

کاش، اہلِ چمن، یہ باغباں کو سمجھائیں
جھونکوں کو یہ حکم دے کہ دھوم نہ مچائیں
ہم صبح کو، غنچوں کے چٹکنے کی صدا
مرجھائے ہوئے پھول نہ سننے پائیں

(غُرفَۂ ہَشتُم)

جُلوسِ غَم

یَک جا ہَے، تَمام آفرِین و تَوبِیخ
دِل دَارئ ناہِید و جَفائے مِرّیخ
آنکھوں مِیں ہَیں یادِ اِین و آں کے آنسُو
قَطرے، طُوفاں کی لِکھ رَہے ہَیں تارِیخ

مُضطر ہے دلِ نیاز ، اَے پیکرِ ناز
آئینہ دَرَک چُکا ہے اَے آئینہ ساز
اَے بُت ، اَے کائنات ، اَے بارِ خُدا
اِنسان کی ہچکیوں کی سُن لے آواز

اَے آدمِ افسُردہ و عبرت آیات
تو صُبحِ ازَل سے ہے غریقِ آفات
یوں مُہرِ وِلادت ہے ترے ماتھے پر
جس طرح کسی لَوح پہ تاریخِ وَفات

ہر سانس، گلے کاٹ رہی ہے معبود
لاشوں سے گڑھے پاٹ رہی ہے معبود
فریاد کہ زندگی کے شعلوں کی زبان
بندوں کو ترے چاٹ رہی ہے معبود

توڑے ہوئے بدھیاں، اُتارے سہرے
گالوں پہ لیے نشان، دُہرے تہرے
عشرت کی تمنا کے طمانچے کھائے
قبروں میں دبے پڑے ہیں کتنے چہرے

ہم، صبحِ ازل سے، آج تک ہیں مغموم
ہم پر کیوں قہر ہے، یہ کس کو معلوم
تانتا وہ بندھا ہوا ہے امیدوں کا
مایوسی کا ہل سے بھی دل ہیں محروم

کیا رحمتِ عام و بخششِ تام ہے، واہ
مسکن بھی ہیں تنگ و تار، مدفن بھی سیاہ
زندوں پر بھی عتاب، تیرے قربان
مُردوں پر بھی عذاب، ماشاءاللہ!!

ہَستی، نَہ سُنے گی، نَہ کَہے گی اِک روز
چُپ چاپ، ہَر اِک ظُلم سَہے گی اِک روز
ہَنسنے کا تو کیا ذِکر، جو کُچھ اَور جیے
رونے کی بھی طاقَت نَہ رَہے گی اِک روز

دُکھیا اِنسان جَب اُٹھاتا ہَے نِگاہ
مِحرابِ فَلَک میں گونج اُٹھتی ہَے کَراہ
نَبضِ کَونَین ڈُوب جاتی ہَے نَدیم
بھیگی آنکھوں میں تَیرتی ہَے جَب آہ

ہر موئے بدن میں، آگ دہکاتے ہیں
اعصاب کی زنجیر کو پگھلاتے ہیں
بن کر گھن مارتے ہیں دُکھتے دل پر
وہ کھولتے آنسو جو پیئے جاتے ہیں

گھڑیاں، جو گزرنا تھیں، گزرتی ہی رہیں
زلفیں، جو بکھرنا تھیں، بکھرتی ہی رہیں
رخسار میں اُمید کا، بھرتے رہے رنگ
اور، یاس کی جھرّیاں اُبھرتی ہی رہیں

کچھ کان میں کہہ رہی ہے، بادِ مغموم
آنکھوں میں ہے، اُمڈے ہُوئے اشکوں کا ہجوم
بیٹھی ہے جو آ کر ابھی دامن پہ یہ گرد
کس کی معشوقہ ہے؟ یہ کس کو معلوم

اے وائے حسابِ غم ہو کیوں کر بیباق
ارزاں ہے انہدامِ صد طاق و رواق
انسان کے صرف ایک آنسو میں ندیم
اُترے جو کبھی تو ڈوب جائے آفاق

کل صحنِ چمن میں جب اُٹھا پردۂ خواب
اللہ ری نزاکتِ دلِ خانہ خراب
انفاس اُٹھا سکے نہ وزنِ خوش بو
پلکیں، نہ سنبھال پائیں بارِ مہتاب

طفلی و شباب و شیب و کم زوری و زور
غوغا و سکوت و گریہ و نغمہ و شور
خوف و غضب و عشق و معاش و امراض
کیا کیا پل ہیں میانِ گہوارہ و گور

اے نوعِ بشر، یہ شان، چشمِ بد دور
یہ دیدہ وری، یہ دور بینی، یہ شعور
اللہ، یہ آندھیوں کے طاقوں میں چراغ!
آہا، یہ زلزلوں کے شانوں پہ قصور!!

یہ رقص یہ زمزمے، یہ فرشِ نسریں
طبلوں سے گمکتی ہوئی یہ پشتِ زمیں
مجھ سے نہ کہو یہ بات، بیتی راتو
”یہ جہلِ مآلِ جشن ہے، جشن نہیں“

یارو، یہ شب، سفینہ، یہ بادِ مُراد
یہ دھوم، یہ رقص و رنگ، یہ خاطرِ شاد
اِک نغمۂ عیش اور چھیڑو سرِ بحر
اِک نوحۂ غم کی اور ڈالو بُنیاد

رقصندہ ہیں مشعلیں اُٹھائے لمحات
بیٹھی ہے کمیں گاہ میں فوجِ ظُلمات
اُمڈے ہوئے آنسوؤں سے اللہ بچائے
نکلی ہے بڑی دھوم سے تاروں کی برات

خاموش ہُوئے ستار، سسکی مضراب
بیٹھی آوازِ نَے، رُکی نبضِ رباب
دَر آئی نسیم، جھلملائیں شمعیں
گونجی بانگِ اذاں، کراہی محراب

فتنوں نے ہر اِک موڑ پہ راہیں کاٹیں
کرنوں نے تمام دن، نگاہیں کاٹیں
جب غرفۂ شب کھلا تو نغمے بوئے
اَوْر مرغ نے بانگ دی تو آہیں کاٹیں ۔

گرداب کی پینگ ہے کہ برنائی ہے
دل کی ہیں یہ دھڑکنیں کہ شہنائی ہے
جس رقص کے ٹھاٹ کو نرت کہتے ہیں
مستی کی وہ ٹوٹتی سی انگڑائی ہے

* * *

اف کشمکش حیات، اللہ غنی
ہر ضربت دل، سلسلۂ کوہ کنی
کافر یہ جسم ہے کہ مرقد کا فشار
کم بخت یہ سانس ہے کہ برچھی کی انی

گُلشن میں، دمِ صُبح، پئے اخذِ گداز
سُنتا گُلِ چیں بھی، کاش دِل کی آواز
کِھلتا ہے جو پُھول، تو یہ کہتی ہے زمین
میرے لختِ جگر، تری عُمر دراز

معلوم ہے، اے شامِ فروزانِ جہاں؟
کیا شے ہوتی ہے صُبحِ خونین کفناں
چِھڑتی شبستاں میں چراغاں کی جو بات
اُٹھتا ہے، بُجھی شمع کے سینے سے دُھواں

اُجڑے ہُوئے ایوان میں بربط نہ بجاؤ
ٹوٹے ہُوئے مقبروں میں دُھومیں نہ مچاؤ
مُمکن ہو تو درمیانِ شبِ سوختگاں
اپنی راتوں کی رنگ رلیاں نہ سُناؤ

اِک عُمر سے، بابِ زندگی ہے مسدُود
اِک طُرفہ ربُودگی ہے اور لا محدُود
یہ اِک بُہتان ہے کہ مَیں ہوں ذی رُوح
یہ اِک افواہ ہے کہ مَیں ہوں موجُود

طُغیانِ لَطافَت سے، خُدارا، ہُشیار
ہاں، جام اُٹھا، بَاِحتیاطِ بِسیار
اس باغ کی نَہر ہے مَچلتی ناگن
اس پُھول کی خُوشْ بُو ہے دُوْدھاری تَلوار

اَللہ، یہ بارانِ عَطا وُ اِنعام
مَعبُود، اِک جان اَور اِتنے آلام
اِس رِندِ خَرابات پہ یہ مَشقِ کَرَم!!
فِدوی نہ وَلی ہے، نہ پَیَمبَر، نہ اِمام

تاریخِ نشاطِ ابنِ آدم ہے گواہ
ہر زمزمۂ عیش کا انجام ہے آہ
ہر تار کے لوچ کی گرہ میں ہے فغاں
ہر تان کی گونج کے جگر میں ہے کراہ

برسی ہوئی آنکھوں میں، چمن چبھتا ہے
شہ رگ میں، گلوں کا بانکپن چبھتا ہے
اب، سانس جو لیتا ہوں تو دُکھتے دل میں
خود اپنا وجود، اپنا بدن چبھتا ہے